الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

تذکرہ مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

یعنی

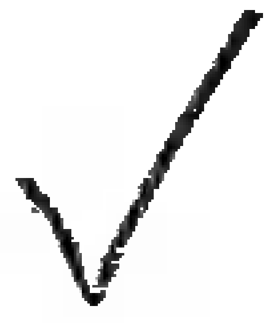
تاریخ فرشتہ، مؤلفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ

کے

باب مشائخ ہند کا دلکش و سلیس اردو ترجمہ



احسن برادرز ـــــ لاہور



فہرست مقالات

لمعۂ دوم در بیانِ مقالات و مقامات، خاندانِ سہروردیہ ملتان

۷۸۶

پیش لفظ

تاریخ فرشتہ برِّ صغیر پاک و ہند کی ایک عمومی تاریخ ہے جس میں قدیم زمانے سے ۱۰۱۵ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ اس کا مصنف حکیم محمد قاسم فرشتہ ابن غلام علی ہندو شاہ استرآبادی ۹۶۰ھ کے قریب استرآباد میں پیدا ہوا۔ ابتدائے عمر میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان میں آکر احمد نگر میں مقیم ہوا۔ اس وقت احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ (۹۷۳ھ - ۹۹۶ھ) کی حکومت تھی۔ باپ اور بیٹا دونوں نے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ مرتضیٰ شاہ نے ہندو شاہ کو اپنے فرزند میراں حسین کا اتالیق مقرر کر دیا۔ مرتضیٰ کے بعد میراں حسین بر سرِ حکومت ہوا اور کم و بیش ایک سال حکومت کرنے کے بعد ۹۹۷ھ میں معزول کر دیا گیا۔ میراں حسین کے عہد میں فرشتہ احمد نگر میں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہاں سے نکل کر ۹۹۸ھ میں بیجاپور میں آیا اور عادل شاہی دربار میں باریاب ہو گیا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ (۹۸۸ھ - ۱۰۳۷ھ) کے حکم سے اس نے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی جو ۱۰۱۵ھ میں اختتام کو پہنچی اور اسے گلشنِ ابراہیمی کے نام سے موسوم کیا لیکن یہ نام عام طور پہ مشہور نہیں ہوا۔ فرشتہ کا سالِ وفات معلوم نہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس نے بہت بڑی عمر پائی ہے۔

(اُردو خینِ ہند مؤلفہ حکیم سید شمس اللہ قادری)

فرشتہ نے اپنی تاریخ کو ایک مقدمہ بارہ مقالوں اور ایک باب خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔ تاریخِ فرشتہ کا بارھواں مقالہ مشائخ ہندوستان کے احوال و کرامات پر مشتمل ہے۔ تاریخِ فرشتہ کا یہ باب علمی و تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے اور صوفیہ کے احوال و سوانح میں اس کے اقتباسات کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

اُردو اور انگریزی میں تاریخِ فرشتہ کے کامل ترجموں کے علاوہ اس کے مختلف حصوں اور مقالات کے الگ الگ ترجمے متعدد بار طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مشائخ ہندوستان کا باب دوازدہم اصل فارسی میں بھی علیحدہ شائع ہوتا رہا ہے۔ تاریخِ فرشتہ کا یہ باب برصغیر پاک و ہند کی روحانی عظمت کا مظہر ہے۔ اور درحقیقت یہی وہ باب ہے جس پر تاریخِ فرشتہ کی عام شہرت و مقبولیت کا دارومدار ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں اسی رُوح پرور باب کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے تاکہ اہلِ دل حضرات اس کے مطالعہ سے مستفیض ہوں۔ نیز اس کی اشاعت سے اُردو کے متصوفانہ ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہو۔

مُرتّب

لمعۂ اوّل در شرح حالات و مقالات دودمانِ چشتیہ

سلطان المشائخ خواجہ معین الدین سنجری المعروف بہ چشتی رح

آں شہنشاہِ جہانِ معرفت
ذات او بیروں از ادراک و صفت
خسرو ملک فنا بی تخت و تاج
از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحرِ عشق از صدق و صفا
از خودی بیگانہ با حق آشنا
کرد مرغ ہمتش زاوجِ کمال
بیضۂ افلاک را در زیرِ بال
اختر برج سپہرِ لم یزل
گوہرِ درج کمالِ بے بدل

آں معین دین و ملت بے نظیر
فارغ از دنیا بملکِ دین امیر

سلطان سریر سرمد خواجۂ راسقین معین الدین محمدؒ مشائخ ہند کے پیشوا ہیں۔ مولد شریف بلدۂ سجستان ہے نشو و نما خراسان میں پائی۔ حضرتؒ کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین حسنؒ زیورِ فلاح سے آراستہ اور حلیۂ صلاح سے پیراستہ تھے۔ جب وفات پائی خواجہ معین الدینؒ محمد پندرہ برس کے تھے۔ ایک باغ اور ایک آسیا یعنی چکی میراث رکھتے تھے۔ اس موضع میں ایک مجذوب مشہور تھے۔ جن کا اسمِ مبارک ابراہیم قندوزیؒ تھا۔ ایک روز ان مجذوب کا اُس باغ میں گذر ہوا اور خواجہ معین الدین محمد قدس سرہٗ اس وقت درختوں میں آب پاشی کرتے تھے لیکن جونہی آپ کی نگاہ ان مجذوب پر پڑی دوڑ کر ان کے دستِ مبارک کو بوسہ دے کر ایک درخت کے سایہ میں بٹھایا۔ اور انگور کا خوشہ سامنے رکھ کر ان کے مقابل دو زانو ہو کر مؤدب بیٹھے ابراہیم قندوزیؒ نے کھلی کا ٹکڑا بغل سے کھینچ کر اور اپنے دندانِ مبارک سے چبا کر خواجہ کے دہن میں ڈالا۔ اُس کے کھاتے ہی ایک نور خواجہ کے باطن میں لائح ہوا اور خواجہ کا دل خانہ واملاک سے بیزار ہو گیا۔ چنانچہ سب کچھ بیچ کر درویشوں کو تقسیم کیا اور مسافر ہوئے اور ایک مدت سمرقند و بخارا میں قرآن مجید کے حفظ کرنے اور علومِ ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر عراق کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جب قصبہ ہراں میں جو نیشاپور کے نواح میں واقع ہے وارد ہوئے۔ شیخ عثمان ہرونیؒ کو اُس وقت مشائخ کبار سے تھے اُن کی خدمت میں جا کر مرید ہوئے اور اڑھائی برس ان کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ و ریاضت میں

اشتغال کیا۔ شیخ عثمان ہرونیؒ حاجی شریفؒ زندنی کے مرید ہیں۔ اور وہ مرید خواجہ مودودؒ چشتی کے اور وہ مرید خواجہ ناصر الدینؒ چشتی کے اور وہ مرید یوسفؒ چشتی کے اور وہ مرید خواجہ ناصر الدین ابو محمدؒ چشتی کے اور وہ مرید خواجہ ناصر الدینؒ احمد چشتی کے اور وہ مرید خواجہ اسحاقؒ شامی المعروف بچشتی کے اور وہ مرید خواجہ ممشاد دینوری کے اور وہ مرید خواجہ ہبیرہ بصری کے اور وہ مرید خواجہ حذیفہ مرعشی کے اور وہ مرید سلطان ابراہیم ادھم کے اور وہ مرید خواجہ فضیلؒ عیاض کے اور وہ مرید خواجہ حبیب عجمیؒ کے اور وہ مرید خواجہ حسن بصری کے اور وہ مرید امیر المومنین و امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور وہ مرید حضرت خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

[1] چشت ایک موضع ہے مواضع ہرات سے۔ الغرض خواجہ معین الدین قدس سرہٗ شیخ عثمانؒ ہرونی سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے بغداد کو روانہ ہوئے اور اثنا راہ میں قصبہ سنجار میں رونق افروز ہوئے ان دنوں میں شیخ نجم الدین کبریٰ قصبہ جبل کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ جبل ایک مقام ہے پُرفیض اور اس کی ہوا نہایت معتدل اور فرحت افزا ہے۔ کوہ جودیؔ کے تحت میں واقع ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی یہاں آکر ٹھہری تھی یہ مقام بغداد سے سات دن کی مسافت پر ہے۔ اور شیخ محی الدین عبد القادر قدس سرہٗ وہیں رہتے تھے۔ خواجہ معین الدینؒ ان کے بدول شاہدۂ جمال باکمال قصبہ سنجار سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ اوحد الدینؒ کرمانی جو ابتدائے سلوک میں تھے۔ ان کو دیکھ کر معتقد ہوئے اور آنحضرت سے خرقۂ خلافت پایا۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی نے بھی شروع حال میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی صحبت میں پہنچ کر فیوضات حاصل کئے تھوڑی

---

[1] کوہ جودی موصل میں ایک پہاڑ ہے۔ ۱۲۔

مدت کے بعد خواجہ معین الدینؒ چشتی بغداد سے ہمدان میں آئے اور شیخ یوسف ہمدانی سے ملاقات کر کے تبریز کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور شیخ ابو سعید تبریزی کی صحبت میں بھی رہے جو شیخ جلال تبریزی کے مرید تھے۔

شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ ابو سعید تبریزی ایسے شیخ تھے جن کے ستر مرید کامل مثل شیخ جلال الدینؒ تبریزی کے تھے۔ شیخ فرید الدینؒ شکر گنج خواجہ بختیارؒ کاکی سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ معین الدینؒ محمد چشتی کو ابتدائے حال میں عجب ریاضت اور مجاہدہ تھا کہ روزے رکھ کر بعد سات روز کے ایک روٹی جو کی جس کا وزن پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتا تھا پانی میں تر کر کے افطار فرماتے تھے۔ شیخ نظام الدینؒ اولیا فرماتے ہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی کی پوشش ایک دوہر تھا۔ اگر وہ کسی مقام سے پارہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بخیہ کرتے تھے اور اگر بغل بند پھٹ جاتا تو پاک کپڑوں کے جس قسم کے پاتے اس پر پیوند کرتے تھے۔ جب اصفہان میں پہنچے شیخ محمودؒ اصفہانی ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ خواجہ بختیارؒ کاکی جو اس وقت اصفہان میں تھے اور شیخ محمودؒ اصفہانی کے مرید ہوا چاہتے تھے جب خواجہ معین الدینؒ محمد چشتی کی زیارت سے شرف یاب ہوئے تو فسخ عزیمت کر کے خواجہ کے مرید ہو گئے اور خواجہ نے وہ دوہر خواجہ قطب الدینؒ کو مرحمت فرمایا اور وہی دوہر خواجہ قطب الدینؒ نے وفات کے وقت شیخ فرید الدینؒ شکر گنج کو عنایت کیا اور انہوں نے وہ شیخ نظام الدینؒ اولیا کو عطا کیا اور انہوں نے شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی کو مرحمت فرمایا۔ جب خواجہ خرقان میں تشریف لائے تو دو برس وہاں اقامت کر کے استرآباد کی طرف تشریف فرما ہوئے اور حضرت شیخ

ناصر الدین استر آبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ یہ ایک عظیم القدر شیخ تھے۔ ان کی عمر ایک سو تائیس برس کی تھی اور دو واسطہ سے حضرت سلطان العارفین شیخ طیفور اور شیخ بایزید بسطامی سے نسبت رکھتے تھے۔ خواجہ نے ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر بے شمار فیوض حاصل کئے اس کے بعد ہری کی طرف متوجہ ہوتے چونکہ خواجہ معین الدین محمد چشتی کی عادت تھی کہ وہ ایک مقام میں کم قیام فرماتے تھے اور دن بھر پھرتے تھے اور شب کو اکثر اوقات خواجہ عبداللہ انصاری کی درگاہ میں نزول فرماتے تھے ایک درویش سے زیادہ آپ کی خدمت میں نہ رہتا تھا۔ اور اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔

جب ہرات میں آپ کے کشف و کمالات کا شہرہ عام ہوا خلقت نے ہجوم کیا آپ وہاں سے برخاستہ ہو کر سبزواری کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کا حاکم جس کا نام یادگار محمد تھا بدمزاج اور فاسق اور فیض میں غلو رکھتا تھا اور اصحاب کبار سے اسے اس قدر عداوت تھی کہ اگر کسی کا نام ابابکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ ہوتا تو اسے بہت ایذا پہنچاتا تھا اور اس کی ہلاکت کے درپے ہوتا تھا۔ اس حاکم جابر نے شہر کے اطراف میں ایک باغ بنایا ہوا تھا اور اس کے درمیان میں ایک حوض نہایت صفائی اور لطافت سے موجود تھا خواجہ گرد راہ سے اس باغ میں جا کر حوض کے کنارے وارد ہوئے اور غسل کر کے دوگانہ نماز بجا لا کر قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوئے۔ اتفاق سے اسی دن مشہور ہوا کہ یادگار محمد باغ کی سیر کو آتا ہے ایک درویش جو شیخ کا رفیق تھا اس نے ہراساں ہو کر شیخ سے عرض کی کہ حاکم جابر آتا ہے آپ کا اس باغ میں بیٹھنا مناسب نہیں باہر تشریف لے چلئے شیخ

اُس کا اضطراب دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا اگر تجھے یہی منظور ہے تو یہاں سے اُٹھ جا اور فلاں درخت کے سایہ میں بیٹھ جا۔ درویش نے فوراً تعمیل کی اور وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں فراشوں نے آکر یادگار محمدؐ کا غالیچہ حوض کے کنارے شیخ کے پہلو میں بچھایا اور شیخ کی عظمت وشوکت سے یہ نہ کہہ سکے کہ یہاں سے اُٹھ جائیے۔ ناگاہ یادگار محمد باغ میں داخل ہوا اور شیخ کو اس مقام پر دیکھ کر خدمتگاروں سے کڑک کر کہا کہ تم نے اس فقیر کو یہاں سے کیوں نہیں نکالا۔ اتنے میں شیخ نے سر مبارک اٹھا کر اس کی طرف نظر قہر سے دیکھا تو یادگار محمدؐ دفعتاً کانپ کر گر پڑا اور بیہوش ہوا۔ اس کے متعلقین یہ حال دیکھ کر شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور التماس شفاعت کی۔ شیخ نے اس درویش کو جو خوف سے درخت کے نیچے بیٹھا تھا بلاکر فرمایا کہ تھوڑا سا پانی اس حوض سے لے کر بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ پر چھینٹا مارو۔ درویش حکم کے موافق عمل میں لایا اور یادگار محمدؐ فوراً ہوش میں آیا اور شیخ کے پاؤں پر سر رکھ کر عرض کی یا شیخ میں نے جمیع منہیات سے توبۃ النصوح کی۔ میری تقصیر معاف فرمائیے۔ شیخ نے اپنا دستِ شفقت اس کے سر پر پھیر کر یہ ارشاد کیا کہ خاندان عظیم الشان رسالت سے دعویٰ محبت کرنا اور اُن کی پیروی نہ کرنا چہ معنی دارد؟ یہ فرما کر شیخ نے ائمہ ہدیٰ کے فضائل ومناقب اِس انداز سے بیان فرمائے کہ یادگار محمدؐ اور اس کے ہمراہی زار زار رو کر تمام تائب ہوئے۔

آنچہ زر می شود از پرتوآں قلبِ سیاہ
کیمیائیست کہ در صحبت درویشانست

بعد اس کے یادگار محمدؐ نے وضو کرکے دوگانہ شکرانہ ادا کیا اور دستِ ارادت

حضرت کے دستِ مبارک میں دے کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوا اور اپنا تمام مال نقد و جنس خواجہ کی نذر کے لیے لایا۔ حضرت نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ تو نے جو کچھ لوگوں سے بجبر و قہر لیا ہے ان کو پہونچا تاکہ قیامت کے دن کوئی تیرا دامن نہ پکڑے۔ یادگار محمد نے شیخ کے ارشاد پر عمل کیا۔ اور جو کچھ باقی بچا وہ فقراء پر تقسیم کر دیا اور غلاموں کو آزاد کیا اور اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر خواجہ کے ہمراہ قلعہ شادمان تک گیا اور چونکہ وہ واصلین کے زمرے میں داخل ہو گیا تھا لہٰذا خواجہ نے وہ اطراف اس کی حمایت میں رجوع کر کے اسے اس مقام میں مقیم کیا اور خود بلخ کی طرف تشریف لے گئے اور چند روز شیخ احمد خضرویہ کے مقامِ عالی فرجام میں اقامت کی۔ اس عہد میں ایک فاضل تھے جن کا نام مولانا ضیاء الدین حکیم تھا وہ جمیع علوم فلسفہ میں خوب مہارت رکھتے تھے لیکن علمِ تصوف میں اعتقاد نہ رکھتے تھے اور اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے تصوف ہذیان ہے کہ تپ زدہ دیوانے بکتے ہیں مولانا ضیاء الدین حکیم بلخ کے اطراف میں ایک موضع میں مدرسہ اور خوشنما باغ رکھتے تھے اور اس میں بیٹھ کر لوگوں کو علمِ حکمت پڑھایا کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے ہمراہ ایک یا دو دستہ تیر اور ایک کمان اور چقماق اور ایک نمکدان رکھتے تھے تاکہ اگر کسی وقت آبادی سے کہیں دور گذر ہو تو کسی پرندے کا شکار کر کے لقمۂ بے شبہ افطار کریں۔ ناگاہ خواجہ اس موضع میں جہاں مولانا ضیاء الدین حکیم درس دیتے تھے رونق افزا ہوئے اس روز خواجہ معین الدینؒ نے ایک کلنگ کو تیر مار کر درخت سے گرایا اور اپنے خادم کو اس کے کباب کرنے کا اشارہ کیا اور خود عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس اثناء میں مولانا

ضیاء الدین حکیم کا وہاں گذر ہوا دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہے اور خادم کباب بریاں کرتا ہے۔ حکیم نے وہاں اس قدر توقف کیا کہ خواجہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ چنانچہ سلام کرکے بیٹھ گئے۔ پھر خادم کباب لایا۔ خواجہ نے بسم اللہ پڑھ کر ایک ران اس کلنگ سے جدا کرکے مولانا کو عنایت فرمائی اور دوسری ران کا تھوڑا ٹکڑا خود تناول فرمایا۔ مولانا نے جونہی وہ کباب کھایا علوم فلسفہ کا زنگ ان کے سینہ سے زائل ہوا اور مدہوش ہو گئے۔ خواجہ نے قدرے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈالا اور وہ ہوش میں آئے۔ مولانا نے اسی وقت اپنی تمام کتابیں دریا میں غرق کیں اور مع تلامذہ کے حضرت خواجہ معین الدین محمدؒ کے مریدوں کی سلک میں منتظم ہوئے۔ جب حضرت کا شہرہ اس ملک میں ہوا اور دنیاداروں نے ہجوم کیا خواجہ نے مولانا ضیاء الدینؒ حکیم کو خرقہ دے کر اس مقام میں چھوڑا اور خود غزنین میں تشریف لائے۔

شمس العارفین عبدالواحدؒ جو شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤید کے پیر تھے۔ ان سے ملاقات کرکے لاہور میں وارد ہوئے۔ وہاں سے دہلی میں نزول اجلال فرمایا اور جب خاص و عام کا وہاں اژدہام ہوا تو حضرت اس امر سے متنفر ہو کر اجمیر میں تشریف لے گئے اور محرم کی دسویں تاریخ کو یعنی بروز عاشورہ سنہ ۵۶۱ھ آپ نے اس خطہ میں نزول فرمایا اور سید السادات سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار جو شیعہ مذہب تھے اور حلیہ تقویٰ و صلاح سے آراستہ اور اولیاء اللہ کے مسلک میں انتظام رکھتے تھے اور سلطان قطب الدین ایبک نے ان کو اس شہر کا داروغہ کیا ہوا تھا۔ شیخ کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور باعزاز و اکرام تمام پیش آئے اور چونکہ

موصوف علم تصوف و اصطلاحات صوفیہ سے بہرۂ تمام رکھتے تھے خواجہ کی صحبت
بیت جان کر اکثر اوقات مجلس شریف میں حاضر ہوتے تھے اور اس پیر طریقت
ی خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے انفاس کی برکت سے اجمیر کے بہت کفار
شرف ایمان سے مشرف ہوئے اور جو دولت ایمان سے محروم رہے۔ خواجہؒ کی
بت کو دل میں جگہ دے کر ہمیشہ فتوح بے شمار آپ کو پہونچاتے تھے۔

شمس الدین التمش کے عہد میں خواجہؒ دو مرتبہ اپنے مرید قطب الدینؒ بختیار
کاکی سے ملنے کے لئے دہلی میں تشریف لائے۔ دوسری مرتبہ جب دہلی سے مراجعت
فرمائی تو آپ نے نکاح کیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ سید وجیہ الدین محمد مشہدی المشہور
بہ خنگ سوار جو سید حسین مشہدی داروغہ اجمیر کے چچا تھے ان کی ایک صاحبزادی
تھی جو حسن و عفت کمال رکھتی تھی جب وہ دختر بلند اختر حد بلوغ کو پہنچی تو سید
صاحب نے چاہا کہ اسے کسی خاندان بزرگ کے حبالۂ نکاح میں لائیں۔ اسی تلاش
میں متردد تھے کہ ایک شب انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو خواب
میں دیکھا کہ ان سے فرماتے ہیں اے فرزند وجیہ الدین! حضرت رسالت پناہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لڑکی خواجہ معین الدینؒ محمد چشتی کے حبالۂ
نکاح میں لاکر وہ واصلان درگاہ الٰہی اور محبان خاندان رسالت پناہی سے ہے۔
جب سید وجیہ الدین نے خواجہ معین الدین محمدؒ چشتی کو اس امر سے آگاہ کیا تو خواجہؒ
نے جواب دیا میری عمر کا آفتاب لب بام ہے لیکن جو حضرت رسالتؐ اور امامؑ
ہمام کا یہ اشارہ ہے۔ مجھے اطاعت کے سوا کچھ چارہ نہیں۔ اس کے بعد خواجہ
نے اس گوہر درج عفت کو شریعت مصطفوی کے موافق اپنی سلک ازدواج میں

منسلک فرمایا اور آفریدگار عالم نے اس کے بطن سے دو فرزند کرامت فرمائے
سا خواجہ عیال داری کے سات برس بعد ماہ رجب کی چھٹی تاریخ ۶۳۲ھ
میں قید جسمانی سے نجات پاکر عالم قدس کی طرف خراماں ہوئے۔ غرضیکہ حضرت
کا سن شریف ستانوے برس کا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد تمام بادشاہ
روضۂ مبارک پر نذریں بھیج کر تبرک کے طلبگار ہوئے خصوصاً جلال الدین محمد
اکبر بادشاہ غازی جو اور بادشاہوں سے زیادہ تر آنحضرت سے اعتقاد رکھتا
تھا اور اپنے عہد شاہی میں ۔ ۔ ۔ ۔ جیسا کہ مذکور ہوا اکثر سنوات میں پیادہ
اجمیر میں جاکر آپ کی اور سید حسینؒ مشہدی مشہور بخنگ سوارؒ کی زیارت سے
فیض یاب ہوتا تھا۔ تاریخ حاجی محمد قندھاری میں مرقوم ہے کہ خواجہ معین الدین
محمد چشتیؒ کے پیر یعنی شیخ عثمان ہرونیؒ شمس الدین محمد التمش کے عہد میں ۔ ۔
۔ ۔ ۔ دہلی میں تشریف لائے تھے اور شمس الدین نے جو آپ کا مرید
تھا ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اس مدت میں خواجہ
معین الدینؒ اجمیر میں متوطن تھے اس صورت میں معلوم نہیں ہوتا کہ ہندوستان
میں ان کے درمیان ملاقات ہوئی یا نہیں۔ شیخ عثمان ہرانیؒ سے خوارق
عادات بہت مشہور ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ
ان سے رخصت لے کر بغداد کی سیر کو متوجہ ہوئے شیخ عثمانؒ ہرونی نے انکی
مفارقت سے بے تاب ہو کر خواجہ کی جستجو میں اپنے مقام سے سفر اختیار
کیا اس سفر میں ایک مقام میں وارد ہوئے کہ وہاں آتش پرست رہتے تھے۔
اور ایک آتشکدہ بھی رکھتے تھے جس میں ہر روز سو خروار لکڑیاں جلاتے تھے۔

خ عثمان ہرونیؒ نے اس کے قریب ایک درخت کے سایہ میں نزول کیا
اور اپنے خادم فخر الدین نام سے فرمایا کہ افطار کے واسطے روٹی پکا ئیے۔
خادم جب آتش پرستوں کے پاس آگ لینے کو گیا تو انہوں نے آگ نہ دی۔
خادم نے واپس آکر شیخ سے حقیقت حال عرض کی۔ شیخ آتشکدہ کی طرف
متوجہ ہوئے اور ایک مغ مختار نام کو جو بہت بوڑھا تھا دیکھا کہ وہ ایک ہفت
سالہ لڑکا آغوش میں لئے ہوئے آتش کدہ کے کنارے کھڑا ہے۔ شیخ نے
اس سے فرمایا کہ یہ آگ جو ایک مشت پانی سے معدوم ہو جاتی ہے اس کو
کیوں پوجتے ہو؟ خدا جو اس آگ کا خالق ہے اس کی پرستش کرنی چاہیئے۔ مغ
نے جواب دیا کہ ہمارے مذہب میں آگ ایک وجودِ عظیم ہے اسے کیوں نہ
پوجیں؟

شیخ نے فرمایا اتنی مدت سے تم اس آگ کی صدق دل سے پرستش
کرتے ہو بھلا تم اپنے ہاتھ یا پاؤں اس میں ڈال سکتے ہو کہ وہ نہ جلائے؟
مغ نے جواب دیا کہ اس کا کام اور خاصیت جلانا ہی ہے۔ بھلا کسے
یہ طاقت ہے جو اس کے قریب جائے۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد
چو یک دم اندرون افتد بسوزد

الغرض شیخ نے جب یہ سنا تو بڑی تیزی سے اس کے فرزند کو اس کے
آغوش سے چھین کر آتشکدہ کی طرف دوڑے اور بسم اللہ کہہ کے آیت قلنا
یا نار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم پڑھتے ہوئے آگ میں داخل

ہوتے، یہ خبر منتشر ہوتے ہی تین چار ہزار مغ آتشکدہ پر آکر شور و فغاں کرنے لگے اور شیخ چار ساعت کے بعد مع طفل کے اس آتشکدۂ سوزان سے صحیح و سالم باہر نکلے یہاں تک کہ آپ کے کپڑوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہونچا بعدۂ مغوں نے فوج در فوج جمع ہو کر اس طفل سے پوچھا کہ اس آتش میں تمہاری کیا حالت تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں شیخ کی بدولت خوش و خرم گل و گلزار کی سیر کرتا تھا۔ آخرش آتش پرستوں کے دل میں نور ایمان جوش زن ہوا اور سب نے شیخ کے قدم مبارک پر سر رکھا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے شیخ نے ان میں سے مختار کا نام عبداللہ اور لڑکے کا نام ابراہیم رکھ کر ان کی تربیت منظورِ نظر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہر دو کا شمار اولیا میں ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ۔

سلطان العارفین

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی المعروف بہ کاکی

آں نہنگِ محیطِ نورِ خدای
غرقۂ لجۂ حضورِ خدای
رفتہ در لامکان ز ہستیٔ خویش
کردہ اظہارِ حق پرستیٔ خویش
شدہ از جان بلامکان واصل
کردہ ہر دم ہزار جان حاصل
بخدا محو در خفی و جلی
قطب دین بختیار شیخ ولی
زندۂ جاودان ز فیضِ عمیم
کشتۂ زخمِ خنجرِ تسلیم

سفینۂ عارفان ازو گلشن
دیدۂ عاشقان ازو روشن

سلطان العارفین خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرزند خواجہ کمال الدین احمد اوشیؒ کے ہیں، حضرت کی ولادت قصبہ اوش میں جو پرگنات ماوراالنہر سے ہے واقع ہوئی۔ جس وقت آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ آپ ڈیڑھ برس کے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ جو حلیۂ عفت اور زیور عصمت سے آراستہ تھیں آپ کی پرورش اور پرداخت میں مصروف رہیں۔

کتاب خیر المجالس تصنیف نصیر الدین اودھیؒ میں لکھا ہے کہ جب آپ پانچ برس کے ہوئے آپ کے ہمسائے میں ایک مرد نہایت پرہیزگار رہتا تھا۔ آپ کی والدہ نے بلا کر تھوڑے سے چھوہارے ایک طباق میں رکھ کر اپنے نور عین کو اس کے ہمراہ کیا اور یہ التماس کی۔ کہ اس معصوم کو کسی معلّم کے سپرد کر دیجئے۔ جب وہ آپ کو لے کر چلا تو تھوڑی دور تک کے راہ میں ایک پیر روشن ضمیر اہل دل سے دوچار ہوا۔ اس نے پوچھا یہ لڑکا کس دودمان سے ہے؟ ہمسائے نے جواب دیا کہ یہ اہل صلاح کے خاندان سے ہے، لیکن اس کا باپ فوت ہوگیا ہے اور اس کی والدہ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اسے کسی مکتب میں لے جا کر کسی معلّم کے سپرد کر دوں۔ لٰہذا میں معلّم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ پیر نے فرمایا۔ کہ تو یہ کام میرے سپرد کر تاکہ میں اسے ایسے معلّم کے پاس لے جاؤں جس کے انفاس کی برکت سے یہ لڑکا صاحب کمال ہو۔ یہ کلام سنتے ہی ہمسایہ برغبت تمام راضی ہوا۔ خلاصہ یہ کہ اس نے قصبہ اوش میں ایک معلّم جن کا نام ابوحفصؒ تھا باتفاق ہمسایہ لے جا کر خواجہ بختیار کو

ان کے سپرد کیا اور اُن سے فرمایا کہ یہ لڑکا جملہ اولیا سے ہوگا، اس پر نظرِ شفقت و تربیت مبذول فرمائیں۔

پیرِ روشن ضمیر کے رخصت ہونے کے بعد ابو حفص نے خواجہ سے پوچھا کہ یہ کون بزرگوار تھے جو تم کو مکتب میں لائے تھے؟ آپ نے عرض کیا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ میری والدہ نے اس ہمسائے کے سپرد کیا تھا۔ کہ مجھے کسی معلم کے سپرد کرے کہ یہ پیر اثنائے راہ میں ہمارا خضر ہوا اور آپ کی دولتِ صحبت سے مشرف کیا۔ شیخ ابو حفص نے فرمایا وہ پیر دلپذیر حضرت خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔

پھر خواجہ نے اُن بزرگ کی خدمت میں رہ کر کلام مجید پڑھا اور آداب شریعت یاد کئے۔ اور اخلاقِ ظاہری و باطنی کی تہذیب میں مساعئ جمیلہ کر کے علم طریقت میں کمال حاصل کیا، اور جیسا کہ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے حالات میں مذکور ہوا۔ اصفہان میں اُن کی ملازمت میں شرفیاب ہو کر مرید ہوئے اور بعض کتب کے سیاقِ کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ بلیس برس کے سن میں قصبہ اوش میں خواجہ کی صحبت سے مستفیض ہو کر مرید ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ رات دن میں دو سو پچاس رکعت نماز با نیاز ادا کرتے تھے اور دو تین ہزار بار درود شریف حضرت خلاصۂ موجودات کی روح پر فتوح پر بھیجتے تھے اور اس ملک کے باشندوں کو فیض پہنچاتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ قصبہ اوش میں ایک بزرگوار خواجہ قطب الدین کے مریدوں سے جن کا نام رئیس احمد تھا اور وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ انہوں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ ایک محل رفیع

اور عالی شان ہے اور خلائق کا اس کے اطراف میں بکثرت ہجوم ہے اور ایک شخص نورانی چہرہ اور درمیانہ قد اس محل میں جاتا ہے اور آتا ہے اور لوگوں کا پیغام سے جاکر اُن کا جواب لاتا ہے۔ اُس وقت رئیس احمد نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون بزرگوار ہے اور یہ بارگاہ کس عالی جان کی ہے؟ کہا اس قصرِ عالی میں حضرت سرورِ کائنات ؐ رونق افروز ہیں اور یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ ہیں کہ پیغام نام بنام پہنچاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی رئیس احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے یہ التماس کی، کہ میری طرف سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں عرض کیجئے کہ فلاں شخص حضرت کے دیدار فائض الانوار کا مشتاق ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی محل میں جاکر یہ جواب لائے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابھی تجھ میں ہمارے دیکھنے کی قابلیت نہیں ہے، جا ہمارا سلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کو پہنچانا اور کہنا۔ کہ کیا سبب وہ تحفہ جو ہر شب ہمارے واسطے بھیجتے تھے تین رات سے نہیں پہنچا!

رئیس احمد جب خواب با حضورؐ سے بیدار ہوا تو خواجہ بختیارؒ کی خدمت میں جاکر صورتِ حال ظاہر کی شیخ سمجھے کہ مجھ سے تقصیر ہوئی۔ اور وہ یہ امر تھا کہ اُن دنوں آپ کی والدہ کو معلوم تھا کہ خواجہ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ بہ تکلفِ تمام ایک دخترِ صالحہ جو جمال باکمال رکھتی تھی آپ کے سلکِ ازدواج میں لائیں اور خواجہ نے بمقتضائے بشریت اس سے میلان و محبت کے سبب تین شب درود فوت کیا تھا۔ پس اسی وقت اس عورت کو طلاق دے دی اور بعد ادکی

کی سمت روانہ ہوئے اور وہاں کے عارفوں سے ملاقات کر کے شیخ شہاب الدینؒ سہروردی اور شیخ اوحد الدینؒ کرمانی کی صحبت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا، اور اس عرصے میں جب شیخ جلال الدینؒ تبریزی دوبارہ خراسان سے بغداد آئے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کاکی کو دیکھ کر نہایت محبت کا اظہار کیا اور شیخ نے خواجہ قطب الدینؒ کو خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ کی خبر سے آگاہی بخشی کہ حضرت خراسان سے ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور اب بلدۂ دہلی میں رونق افروز ہیں۔

خواجہ قطب الدینؒ اپنے پیر کے اشتیاق ملازمت سے بے قرار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ بھی حضرت کی مفارقت گوارا نہ کرتے ہوئے ہمراہ ہوئے اور دونوں بزرگوار سیر کرتے ہوئے ملتان میں پہنچے۔ شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا ملتانی کی صحبت میں چند روز بسر کیے اور شیخ فرید الدینؒ گنج شکر کہ ابتدائے حال اُن کا تھا خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی کی ملازمت سے مشرف ہوئے اور حضرت کی محبت کا رشتہ کمر جان میں باندھ کر شرف ارادت اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔ اور جب ان دنوں ترکانِ بے ایمان نے دفعتاً خطا اور ختن کی طرف حملہ کر کے ملتان کے قلعے کا محاصرہ کیا تو سلطان ناصر الدین قباچہ حاکمِ ملتان نے اُن کی مدافعت کی اور خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی سے دعا اور ہمت کا طلبگار ہوا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ایک تیر طلب کر کے ناصر الدین قباچہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ مغرب کی نماز کے وقت برجِ حصار پر برآمد ہو کر تیر چلہ کمان میں جوڑ کر کفار کی طرف پھینکنا۔ جب ناصر الدین قباچہ نے

بوقتِ معین وہ تیر خانہ کمان میں رکھ کر برج قلعہ سے اِس جماعت کی طرف پھینکا تو
اُس کے گرتے ہی خدا کے حکم سے وہ قومِ شوم اس بوم سے ایسی مفقود اور
معدوم ہوئی کہ کسی نے اُن کا نشان نہ دیا کہ کیا ہوئی۔ پھر دونوں بزرگ عازمِ سفر
ہوگئے۔ شیخ جلال الدینؒ تبریزی غزنی کی طرف چلے گئے اور خواجہ قطب الدینؒ
بختیار کاکی دہلی کی سمت متوجہ ہوئے۔ ہر چند ناصر الدین قباچہ نے عجز و زاری کی
کہ خواجہ ملتان میں سکونت پذیر ہوں، قبول نہ کیا اور یہ جواب دیا۔ کہ یہ مقام عالمِ غیب
سے شیخ بہاء الدینؒ ذکریا کے ذمے کیا گیا ہے اور میں اپنے پیرِ شیخ طریقت و
حقیقت خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ کی اجازت کے بغیر کسی مقام میں قیام نہیں
کر سکتا۔

الغرض خواجہ لاہور کے راستے سے جب دہلی کے اطراف میں پہنچے تو پانی
کی فراوانی کے سبب کیلوکھری میں وارد ہوئے اور خواجہ معین الدینؒ محمد چشتیؒ کی
خدمت میں۔ کہ ان دنوں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے عریضہ ارسال کیا کہ میں
آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں، اگر اشارت یا بشارت فرمائیں تو قدم بوسی
سے مشرف ہوں، خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ نے جواب میں لکھا کہ قربِ روحانی
کے لئے بُعدِ مکانی مانع نہیں ہے۔ آپ بخیر و عافیت وہیں رہیں۔ انشاء اللہ
چند روز بعد بارادتِ الٰہی اُس طرف متوجہ ہو کر ملاقات کروں گا۔

کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش بادشاہ جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کے آنے سے خبردار ہوا تو لوازمِ شکرِ الٰہی بجا لایا اور چاہا کہ جناب کو شہر میں لا کر
متوطن کرے۔ حضرت نے اُس وقت میں پانی کی نایابی کا عذر کیا اور شہر میں

رہنا قبول نہ کیا۔

شیخ الاسلام شیخ جمال الدین محمد لبسطامی نے جو بزرگان دین میں سے تھے اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے اعتقاد کمال بہم پہنچایا اور شیخ محمد عطا معروف بہ حمید الدین ناگوریؒ بھی جنہوں نے بغداد میں خواجہ کو دیکھا تھا اُس جناب سے ارادتِ صادق پیدا کر کے اکثر اوقات خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

شمس الدین التمش نے التزام کر لیا تھا۔ کہ ہفتے میں دو بار شیخ کی زیارت سے فائض ہو کر فیوض حاصل کرے۔ اسی طرح دہلی کے خاص و عام اور خرد و بزرگ بہ ارادت شیخ کی ملازمت کے خواہاں ہوئے اور شہر سے کیلوکھری تک راستہ ہر دم آنے جانے والوں سے کا برا رہتا تھا۔ اس واسطے شمس الدین التمش نے خلق خدا کی آسائش اور آرام کے لئے شیخ کو پھر شہر میں آنے کی تکلیف دی اور اس مرتبہ چونکہ اصرار اور مبالغہ حد سے گذرا . . . . شیخ نے قبول کیا اور شہر . . . .

کے قریب مسجد عزالدین میں اقامت فرمائی۔ اس روز شیخ بدر الدین غزنویؒ حضرت کے شرفِ بیعت اور خرقہ پاک سے مشرف ہوئے اور عمر عزیز آپ کی صحبت میں بسر کر کے کمالات حاصل کئے اور چونکہ اُن دنوں شیخ جمال الدین محمد لبسطامیؒ جوار رحمتِ ایزدی میں داخل ہوئے تھے۔ شمس الدین التمش نے خواجہ کو منصب شیخ الاسلامی کی تکلیف دی اور جب شیخ نے قبول نہ فرمایا۔ شیخ نجم الدین صغری کو اس منصب سے خصوصیت بخشی۔ شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نے

خلائق کے رجوع ہونے سے کہ خواجہ کی خدمت میں ہر وقت ہجوم رکھتے تھے۔ اپنے
دل صفا منزل میں زنگ حسد و رشک پیدا کیا اور حضرت سے یک گونہ سوء مزاجی
بہم پہنچائی اتفاقات حسنہ سے انہی دنوں خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ نے خطہ اجمیر
سے دہلی میں آکر خواجہ کی خانقاہ میں نزول فرمایا اور خواجہ نے خوش ہو کر دو رکعت
نماز شکرانہ ادا کی۔ اور چاہا کہ شمس الدین التمش کو خواجہ کی تشریف آوری کی
آگاہی بخشیں، خواجہ مانع ہوئے اور فرمایا، میں فقط تمہارے دیکھنے کو آیا ہوں
اور دو تین روز سے زیادہ نہ رہوں گا۔ اور چونکہ حضرت کو خاص و عام کا ازدحام
خوش نہ آتا تھا اور شہرت سے ہراساں و گریزاں تھے خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی نے سکوت اختیار کیا اور اپنے پیر کی رضامندی اور خوش دلی میں
کوشش فرمائی لیکن باوجود اس حال کے شہر کی تمام خلقت ہجوم کر کے شیخ
کی زیارت کو حاضر ہوئی۔ مگر شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری جو خواجہ قطب الدینؒ
سے حسد رکھتے تھے۔ ایسے مہمان عزیز کی ملاقات کو نہ آئے۔ خواجہ معین الدینؒ محمد
چشتی کو چونکہ خراسان میں شیخ نجم الدین صغری کے ساتھ نہایت محبت پیدا
ہو گئی تھی اس لیے اُن پر شوق ملاقات غالب آیا اور وہ اُن کے دیکھنے کو خود
تشریف لے گئے۔ شیخ نجم الدین اس روز مزدوروں سے کچھ کام عمارت کا لے
رہے تھے۔ شیخ کا استقبال جیسا کہ چاہیے بجا نہ لائے اور خواجہ بھی بمقتضائے
بشریت اُن سے آزردہ ہو گئے اور کہا "اے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری
تجھے کیا ہوا ہے جو تو نے اپنا مزاج متغیر کیا ہے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ
شیخ الاسلامی کے جاہ نے تجھے غرور کے چاہ میں ڈالا ہے۔ شیخ نجم الدین یہ

کلام سُن کر فوراً متنبہ ہو کر بہ معذرت پیش آئے اور کہا کہ "میں اس طرح آپ کا مخلص ہوں جیسے کہ پیشتر آپ کے قدم مبارک پر سر گھستا تھا۔ اب آپ نے اپنے ایک مرید کو اس شہر میں متوطن کیا ہے تمام خلائق اس سے رجوع ہوتی ہے اور کوئی شخص ہماری شیخ الاسلامی کو ایک برگ سبز کے عوض نہیں خریدتا ہے۔"

خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ نے جب یہ کلام سنا تو متبسم ہو کر فرمایا "اے شیخ خاطر جمع رکھ کہ میں قطب الدینؒ کو اپنے ہمراہ اجمیر لے جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُن کے مکان سے برآمد ہوئے۔ ہرچند شیخ نجم الدین طعام ماحضر کیلئے مصر ہوئے قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ انہی دنوں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ عراق، خراسان ماوراء النہر اور مکہ و مدینہ سے مراجعت کر کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی صحبت میں رہتے تھے اور آپ کے توسط سے خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ کی دست بوسی سے شرف یاب ہوئے خواجہ نے فرمایا "بابا بختیار تم شاہباز عظیم القدر کو قید میں لائے ہو کہ سدرۃ المنتہیٰ کے سوا کہیں آشیانہ نہیں بناتا۔ اور فریدالدینؒ وہ شمع ہے جو درویشوں کے خانوادے کو روشن کرے گا۔ انہی دنوں خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر تشریف لے گئے اور خواجہ قطب الدین بختیارؒ کاکی بھی اُن کے ہمرکاب روانہ ہوئے شہر کی خلقت یہ سُن کر اضطراب میں مبتلا ہوئی، چنانچہ ہر ایک محلے سے شور ماتم بپا ہوا۔ بزرگان دین و دردمندوں کے قرین ہو کر اور خواجہ کے پیچھے روانہ ہوئے جس مقام میں آپ کے قدم مبارک کا نشان پاتے تھے وہاں کی خاک تبرکاً تیمناً اٹھاتے تھے خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ

نے یہ حال مشاہدہ کر کے فرمایا۔ بابا قطب الدین بختیار کاکی! لوگ تیری مفارقت سے پریشان اور آزردہ خاطر ہیں۔ اتنے قلوب کی خرابی اور خستہ حالی مجھے منظور نہیں۔ تم اسی مقام پر بودو باش اختیار کرو کہ اس شہر کو اور تمہیں خدا کی حفظ و حمایت میں چھوڑتا ہوں۔"

بعض راویوں سے منقول ہے کہ شمس الدین التمش جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی روانگی سے مطلع ہوا تو متواتر خواجہ معین الدین محمد چشتی کی خدمت میں آدمی بھیج کر بمنت تمام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بازگشت کی التماس کی۔

شیخ نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے آخیر عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور ہر روز دو بار کلام مجید ختم کرتے تھے۔ عجب زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مالِ دنیوی سے ایک پیسہ نگاہ نہ رکھتے تھے۔ آخر کو تاہل بھی فرمایا اور دو فرزند پیدا ہوئے ایک کا نام شیخ احمد اور دوسرے کا شیخ محمد رکھا۔ شیخ محمد سات برس کی عمر میں فوت ہوا تو اُس کی ماں گھر میں نوحہ زاری اور گریہ و بے قراری کرتی تھی۔ خواجہ قطب الدین نے خواجہ بدر الدین سے پوچھا یہ آواز گریہ و سوز آج ہمارے مکان سے کیسی برآمد ہوتی ہے سبب کیا ہے؟ شیخ نے عرض کی، محمد نے رحلت کی، اس کی والدہ گریہ و زاری کرتی ہے۔ خواجہ قطب الدین نے یہ سانحہ سنتے ہی کفِ افسوس مل کر فرمایا۔ اگر مجھے رحلت فرزند سے خبر ہوتی اُس کی تندرستی کے واسطے حضرت شافیِ مطلق سے استدعا کرتا لیکن چونکہ یہ امر مقدر ہو چکا تھا مجھے معلوم نہ ہوا، یہ کہا اور اس کی والدہ کو نالہ اور جزع فزع سے ممانعت کی اور خود مشغولِ مراقبہ ہوئے۔

خواجہ کو قطب الدینؒ بختیار کاکی اس سبب سے کہتے ہیں کہ جب سے خواجہؒ نے دہلی میں سکونت اختیار کسی سے کچھ نہ لیتے تھے اور گاہے ماہے کوئی شخص از روئے اخلاص اگر نذر لاتا تھا تو حضرت اُسے قبول کر کے اسی وقت فقراء اور مساکین پر تقسیم کرتے تھے۔ مال دنیا سے کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے مشہور ہے کہ اس زمانے میں اُن کے گھر میں نو آدمی زن اور فرزند اور خادم سے تھے۔ آپ کے ہمسائے میں ایک بقال مسمی شرف الدین تھا۔ اس کی زوجہ خواجہ کی بیوی کے پاس بسبب رابطۂ ہمسائیگی کبھی کبھی آتی تھی۔ جس وقت حضرت کے گھر کوئی چیز موجود نہ ہوتی تھی اور ایک دو فاقے کی نوبت پہنچتی تھی۔ خواجہ کی زوجہ بقال کی عورت سے بمقدار نیم تنکہ یا کم و بیش قرض لے کر اپنے فرزندوں اور متعلقوں کی قوت میں صرف کرتی تھیں۔ ایک دن شرف الدین بقال کی بیوی نے اثنائے کلام میں خواجہ قطبؒ الدین کی بیوی سے یہ بات کہی کہ میرے سبب سے تمہارا نباہ ہوتا ہے اگر میں نہ ہوں تو سب فاقہ کشی سے ہلاک ہو جاؤ۔ بی بی کو یہ کلام نہایت ناگوار گذرا اور اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ اب میں اس سے ہرگز قرض نہ لوں گی۔ ایک دن بی بی نے کسی تقریب سے یہ امر خواجہ کے سمع مبارک میں پہنچایا خواجہ یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے۔ کچھ دیر مراقبے میں جا کر سر اٹھا کر بی بی سے ارشاد کیا کہ خبردار آئندہ قرض نہ لینا اور ضرورت کے وقت حجرے کے طاق سے بسم اللہ کہہ کر روٹی یعنی چپاتی جس قدر مطلوب ہوں اُن کو صرف میں لایا کرو۔ اُس دن کے بعد خواجہ کی زوجہ بوقتِ حاجت اُس طاق سے گرما گرم روٹیاں برآوردہ کر کے لوگوں کو تقسیم کرتی تھیں۔ ظاہر خواجہ خضر

علیہ السلام وہ مائدہ پہنچاتے تھے۔ اب بھی اسی طرح اُن حضرت کے مقبرے میں روٹیاں پکا کر مجاوروں اور مسافروں کو دیتے ہیں۔ ہندی میں نان تنک کو کاک کہتے ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء اپنے پیر شیخ فرید الدینؒ گنج شکر سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ قطب الدینؒ بختیار نے شروع حال میں قصبہ اوش سے مسافرت اختیار کی اور ایک شہر میں پہنچ کر چند روز وہاں مقیم ہوئے۔ اس شہر کے باہر ایک مسجد اور ایک مینار تھا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کو یہ خبر پہنچی تھی کہ جس وقت کوئی شخص گوشۂ خالی میں دوگانہ ادا کرے اور آخر شب میں فلاں دعا پڑھے تو اس کو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے خواجہ آخر شب کو اس مسجد میں گئے اور دوگانہ بجالا کر وہ دعا پڑھی۔ جب کسی شخص کو نہ دیکھا مایوس ہوکر مسجد سے برآمد ہوئے۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے ایک پیر نورانی چہرہ سے دوچار ہوئے۔ اس پیر روشن ضمیر نے فرمایا "یہاں کیا کرتے ہو؟" خواجہ نے حقیقتِ حال بالتفصیل بیان کی۔ پیر نے فرمایا تو دنیا طلب کرتا ہے؟ خواجہ قطب الدینؒ نے فرمایا نہیں۔ پیر نے فرمایا کہ کچھ دنیا ضروری ہے کہا نہیں۔ کہا پھر تو خواجہ خضر کو کس واسطے تلاش کرتا ہے؟ وہ بھی مانند تیرے سرگردان ہے لیکن اس شہر میں ایک مرد ہے۔ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے ایسا مشغول ہے کہ سات مرتبہ خضر اُس کی ملاقات کو گئے لیکن بار نہ پایا۔

خلاصہ یہ کہ وہ دونوں بزرگوار اس گفتگو میں تھے کہ ایک پیر اور گوشۂ مسجد سے برآمد ہوئے اور پیر اوّل نے خواجہ قطب الدین کا ہاتھ پکڑ کر اس پیر کی

طرف توجہ کی اور فرمایا "یہ مرد نہ دنیا چاہتا ہے اور نہ اس پر کچھ قرض ہے۔ مگر آپ کی صحبت کی آرزو رکھتا ہے۔ خواجہ قطب الدینؒ یہ سن کر نہایت محظوظ ہوئے کہ خواجہ خضر علیہ السلام کو پایا اور سمجھے کہ پیر اوّل رجال الغیب میں سے ہے اور پیر ثانی خضر علیہ السلام ہیں۔ پھر وہ دونوں بزرگوار نظروں سے غائب ہو گئے۔

نیز حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے دل میں مدتِ مدید سے یہ آرزو تھی کہ شہر دہلی کے اطراف میں ایک حوض یعنی تالاب بناؤں تو خلائق پانی کی عسرت سے نجات پالے۔ اتفاقاً ایک شب کو شمس الدین التمش نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ کائنات اور فخرِ موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والسلام ایک مقام میں گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں اے شمس الدین اگر تو تالاب بنانے کی نیت رکھتا ہے تو اس مقام میں جہاں میں ایستادہ ہوں تالاب تیار کر۔ شمس الدین التمش اس بشارتِ فیض اشارت سے نہایت خوش ہوا۔ جب خواب سے بیدار ہوا اس مقام کو کہ حضرت رسالت پناہ نے ارشاد فرمایا تھا خوب ذہن نشین کر کے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کاکی کی خدمت میں آدمی بھیج کر یہ پیغام دیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے اگر اجازت ہو تو خدمت میں حاضر ہو کر عرض کروں!

چونکہ یہ امر خواجہ پر مکشوف ہو چکا تھا جواب دیا میں اس مقام میں کہ حضرت رسالت پناہ نے تالاب کی تیاری کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے جاتا ہوں آپ بھی جلد تشریف لائیں تو بہتر ہے۔

جب بادشاہ شمس الدین التمش نے خواجہ کا جواب سنا تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر خواجہ کے مکان کی طرف بہ تعجیل روانہ ہوا تاکہ اُن سے مل کر مقصد حاصل ہو۔ خادموں نے شمس الدین التمش سے عرض کی کہ شیخ فلاں مقام پر تشریف لے گئے ہیں۔ شمس الدین بسرعت تمام روانہ ہوا اور خواجہ کو اسی مقام میں مشغولِ نماز دیکھا۔ بعد فراغتِ نماز شمس الدین التمش خواجہ کی دست بوسی سے مشرف ہوا۔ یہ بھی منقول ہے کہ جس مقام میں شمس الدین التمش نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار دیکھا تھا حضرت کے گھوڑے کے سم کا نشان ظاہر تھا اور بعد ایک لحظہ کے اُس نشان سے پانی ظاہر ہوا چنانچہ اُسی مقام میں تالاب تیار کر کے حضرت کے گھوڑے کے سم پر صفہ اور ایک گنبد تعمیر کیا اور انہی دنوں میں اس حوض سے ایک چشمہ ساز بہم پہنچا کہ اب تک وہ چشمہ جاری ہے اور اکثر باغات اس چشمے سے سیراب ہوتے ہیں۔ امیر خسرو دہلوی نے اس حوض اور چشمے کی تعریف مثنوی قرن السعدین میں تحریر فرمائی ہے اور اکثر مشائخ دہلی کے کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی حوض کے کنارے ذکر حق میں مشغول رہتے ہیں۔

کہتے ہیں خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی ایک روز مسجد میں جو لنگر شمس الدین التمش کے پہلو میں تالاب مذکور کے متصل ہے بیٹھے تھے اور خواجہ بدر الدینؒ غزنوی اور خواجہ محمودؒ موئینہ دوز اور شیخ بدر الدینؒ غزنوی اور تاج الدینؒ منور بھی حاضر تھے۔ اِس اثنا میں حوض کے کنارے ایک شتر سوار کمبہ دپوش چہرہ لپیٹے ہوئے ظاہر ہوا اور اونٹ سے اتر کر کپڑے اتار کر حوض میں داخل ہوا اور بعد غسل تالاب سے

ظاہر ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، پھر مسجد کی طرف توجہ کر کے لوگوں کو آواز دی، کہ تم کون ہو؟ تاج الدینؒ منور نے جواب دیا۔ کہ ہم درویش خدا پرست ہیں۔ اس نے پھر آواز دی۔ کہ اے تاج الدینؒ منور خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی کو میرا سلام پہنچا دو اور کہنا کہ ابو سعید دمشقی جو نیازمندی میں مخصوص ہے حاضر ہوا ہے۔ خواجہ قدس سرہٗ ابو سعید دمشقی کا نام سنتے ہی درویشوں کے ساتھ اُن کی ملاقات کو دوڑے جب اس مقام میں پہنچے کچھ اثر و نشان نہ دیکھا۔ معلوم ہوا کہ رجال الغیب سے تھا۔

منقول ہے۔ کہ ایک شاعر ناصری تخلص ماوراء النہر سے دہلی میں آکر خواجہ قطب الدینؒ کے مکان پر وارد ہوا اور حضرت کی زیارت سے مشرف ہو کر یہ عرض کی کہ میں نے ایک قصیدہ شمس الدین التمش کی مدح میں لکھا ہے۔ امیدوار دعا ہوں کہ اس کا خوب صلہ پاؤں۔ خواجہ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر فرمایا۔ انشاء اللہ تعالےٰ انعام خوب پائے گا۔ ناصری نے شمس الدین التمش کے دربار میں جا کر وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ

تیغ تو بال و فیل ز کفار خواستہ

شمس الدین التمش اس وقت دوسری طرف متوجہ تھا۔ ناصری نے مضطرب ہو کر خواجہ کو شفیع لا کر ہمت چاہی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا پڑھ!

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ

تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

ناصری نے جب دیکھا کہ باوجود مشغولی کے شاہ نے ایک بار مطلع سن کر یاد رکھا از خوش ہو کر تمام قصیدہ پڑھا۔ شمس الدین التمش نے فرمایا کہ ایک بار اسے اور پڑھ! جب پھر پڑھا پوچھا اس قصیدے میں کتنے شعر ہیں! عرض کی ترپن۔ شمس الدین التمش نے حکم دیا کہ ترپن ہزار تنگہ نقرہ ناصری کو دیدیں۔ ناصری وہ زر خطیر لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ کہ یہ صلہ حضرت کے انفاس کی برکت سے دستیاب ہوا، امیدوار ہوں کہ یہ سب پیش حاضر ہے۔ اگر سب نہیں قبول ہوتا تو اس میں سے نصف فقرا کو تقسیم فرمائیں۔ خواجہ نے قبول نہ کیا اور فرمایا سب تجھے ارزانی ہوا۔

منقول ہے کہ ایک دن خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی خواجہ قطب الدینؒ علی سجستانی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت محفل سماع برپا تھی اور قوال یہ بیت گاتا تھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است

خواجہ کے مزاج میں ایسا تغیر ظاہر ہوا کہ بے ہوش ہو گئے اور قاضی حمیدالدینؒ ناگوری اور شیخ بدرالدینؒ غزنوی جو اس وقت حاضر تھے خواجہ قطب الدینؒ کو مکان میں لائے اور ان قوالوں کو جو بیت پڑھتے تھے حاضر کر کے اس بیت کی تکرار کا حکم دیا۔ خواجہ وجد فرما کر پھر حال میں مستغرق ہو گئے۔ تین شبانہ روز یہی حالت رہی اور آنجناب کا تمام اندام اور بند بند نادرست ہوا۔ چنانچہ شب دو شنبہ ربیع الاول کی چودھویں تاریخ ۶۳۴ھ میں سر مبارک شیخ حمیدالدینؒ ناگوری

کے زانو پر رکھا اور قدم بدرالدینؒ غزنوی کی آغوش میں رکھے۔ اتنے میں آپ کی حالت دگرگوں ہوئی۔ اس وقت شیخ حمید الدینؒ ناگوری نے عرض کیا کہ حال مخدوم کا دگرگوں ہے، خلافت کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ شیخ قطب الدینؒ نے باوجود اس کے کہ اولاد اکبر موجود تھی اور اس کے سوا اور مشائخ حاضر تھے فرمایا کہ وہ خرقہ جو مجھے خواجہ معین الدینؒ محمد چشتی سے پہنچا ہے مع مصلّے خاص و عصا و نعلین چوبیں کے شیخ فریدالدینؒ گنج شکر کو کہ خلافت اُن کے ساتھ تعلق رکھتی ہے پہنچا دو۔ یہ فرمایا اور عالمِ فنا سے رحلت فرمائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منقول ہے کہ شیخ فریدالدینؒ گنج شکر اس وقت قصبہ ہانسی میں متوطن تھے اور جس شب خواجہ رحلت کریں گے، اسی دم اُن پر کشف ہوا اور علی الصبح دہلی کی سمت روانہ ہوئے اور وہ درویش جو شیخ حمید الدینؒ ناگوریؒ نے بعد رحلت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکر کی اطلاع کے واسطے روانہ کیا تھا نصف راہ قصبۂ مہم میں حضرت فریدالدینؒ گنج شکر کی زیارت سے مشرف ہوا اور شیخ حمید الدینؒ ناگوری کا مکتوب حوالے کیا شیخ فریدالدین گنج شکر اس کا مضمون پڑھ کر مطلع ہوئے، وہاں سے اس عجلت سے روانہ ہوئے کہ تیسرے دن خواجہ کے مزار پر حاضر ہو کر لوازم زیارت بجا لائے، اس وقت شیخ بدرالدین ناگوری اور شیخ بدرالدین غزنوی نے بحکم وصیت خرقہ مصلّے، عصا اور نعلین چوبیں انہیں سپرد کیں۔ شیخ فریدالدینؒ گنج شکر اسی مصلّی کو بچھا کر دوگانہ بجا لائے اور خواجہ قطب الدینؒ کے مکان پر جا کر لوازم پرسش بجا لائے اور ایک ہفتہ وہاں رہ کر خواجہ کے متعلقوں کو سمجھاتے رہے۔

حضرت نظام الدینؒ اولیا سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

ایک مرتبہ عید کے روز نماز دوگانہ ادا کرکے اس مقام میں کہ جہاں اب اُن کی قبر ہے وارد ہوئے اور اُس زمین کو مصفا اور قبر سے خالی دیکھ کر ایک لحظہ اُس مقام میں ایستادہ ہو کر متامل ہوئے۔ درویش جو حضرت کے ہمراہ تھے انہوں نے حضرت سے عرض کی کہ آج روزِ عید ہے اور ایک خلقت آپ کی ملازمت کی نماز رکھتی ہے۔ توقف کا سبب کیا ہے؟ خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس زمین سے بوئے عشق آتی ہے۔ ایک ساعت تم میرے ساتھ یہاں ٹھہرو۔ اور یہ فرما کر خواجہ نے اس زمین کے مالک کو طلب کیا اور مالِ حلال سے وہ زمین خرید کرکے اپنے مدفن کے لئے معین کی۔ چنانچہ بعد وفات حسبِ وصیت لوگوں نے آپ کو اسی قطعۂ زمین میں دفن کیا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان المشائخ
شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

گلِ گلزارِ انوارِ معانی
دُرِ دریائی گنج لامکانی
مئی وحدت زجامِ عشق خوردہ
قدم در عالمِ لاہوت بُردہ
ملکِ فقر شاہنشاہ مقصود
فرید الدین ملت شیخ مسعود

حضرت کے جدّ امجد مشہور بہ فرخ شاہ ملک کابل کے حاکم تھے اور آپ کے پدر والا گہر شیخ کمال الدینؒ سلیمان سلطان شہاب الدین غوری کے عہدِ سلطنت میں کابل سے ملتان آئے اور بادشاہ نے قصبہ کھوتوال کی قضا جو ملتان کے قریب ہے آپ کو مرحمت فرمائی، اور کمال الدینؒ سلیمان وہاں متوطن

ہو کر وجیہہ الدین خجندی کی بیٹی کو جو زیورِ عفت و حلیۂ عصمت سے آراستہ تھی اپنے عقد ازدواج میں لائے اور اس عفیفہ کے بطنِ مبارک سے تین فرزند متولد ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام فریدالدین محمود اور منجھلے کا اسم فریدالدین مسعود اور چھوٹے کا نام نجیب الدین المشہور بہ متوکل تھا۔

شیخ فریدالدین مسعود ۵۸۴ھ میں قصبہ کھوتوال میں پیدا ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ایک شب کو حضرت کی والدہ ماجدہ نمازِ تہجد میں مشغول تھیں ایک چور آپ کے مکان میں آیا۔ جب اُس چور کی نگاہ اُس عفیفہ پر پڑی تو وہ فوراً نابینا ہو گیا اور چاہا کہ نکل جائے۔ راہ نہ سوجھی۔ آواز دی کہ میں اِس مکان میں چوری کو آیا تھا، یہاں کون شخص ہے کہ جس کے نورِ باطن سے اندھا ہوا۔ اب عہد کرتا ہوں کہ اگر میری آنکھیں روشن ہو جائیں تو عمر بھر چوری نہ کروں گا اور کفر سے اسلام میں داخل ہوں گا۔ شیخ کی والدہ نے جب یہ سنا تو اس کی بینائی کے واسطے درگاہِ مجیب الدعوات میں دعا کی چنانچہ تیرِ دعا مقبولیت کے نشانے سے مقرون ہوا، یعنی وہ چور بینا ہوا اور اپنا راستہ لیا۔ اس حال سے اُس رابعۂ وقت کے سوا کسی اور کو خبر نہ ہوئی تھی۔ چور نے صبح کو شب کا واقعہ اپنے اہل و عیال سے بیان کیا اور ایک ہانڈی دہی کی سر پر لے کر اُن بی بی صاحبہ کی خدمت میں جا کر احوالِ شب بیان کیا اور عرض کی کہ میں حسبِ وعدہ حاضر ہوا ہوں کہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوں۔ یہ کہہ کر کلمۂ شہادت زبان پر جاری کر کے دینِ اسلام بہ اعتقادِ تمام قبول کیا اور نام اس کا عبداللہ ہوا اور مدتِ عمر خدمت میں مصروف رہا، چنانچہ اب تک قبر اس کی اسی قصبے میں ہے۔ لوگ اس کی

زیارت سے تبرک پاتے ہیں۔ شیخ فریدالدین مسعودؒ کے والد اوران کے بڑے بھائی اعزالدینؒ کا مزار بھی اُسی قصبے میں موجود ہے۔

نقل ہے کہ شیخ اٹھارہ برس کے سن میں قبۃ الاسلام ملتان میں مولانا منہاج الدینؒ ترمذی کی خدمت میں کتاب نافع جو فقہ میں ہے پڑھتے تھے۔ اور کلام اللہ حفظ کر کے رات دن میں ایک بار ختم کرتے تھے اور اسی مسجد میں رہتے تھے۔ ان دنوں ایک بار خواجہ قطب الدین الدینؒ بختیار کاکی نے اس مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھی اور جونہی شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی نظر ان حضرت کے چہرۂ نورانی پر پڑی دل سے حضرت کے عاشق ہوئے اور سر آپ کے قدم مبارک پر رکھا۔ خواجہ نے پوچھا یہ تمہاری بغل میں کون کتاب ہے؟ عرض کی کتاب نافع فقہ۔ خواجہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ تمہیں نافع ہوگی۔ اور شیخ دست ارادت خواجہ کے دامن میں مستحکم کر کے ملتان میں رہے۔ اکثر اوقات آنجناب کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے اور جب خواجہ دہلی کی طرف متوجہ ہوئے یہ بھی ہمرکاب ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا بابا فرید! اس تجرید میں بھی چند روز علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول رہو اور اس کے بعد دہلی کی طرف آکر میری صحبت میں قیام کرو کہ بزرگوں نے کہا ہے زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہو جاتا ہے۔ بابا فرید ذوقِ محبت سے تین منزل ہمراہ گئے۔ اس کے بعد رخصت ہوئے اور اپنے پیر کے حکم کے مطابق قندھار میں جا کر پانچ برس علوم کی تحصیل کی۔ اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمرؒ سہروردی اور شیخ سیف الدین خضری اور شیخ سعید الدینؒ حموی اور شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا اور شیخ اوحدالدینؒ

کرمانی اور شیخ فریدالدین محمد عطارؒ نیشاپوری کی شرفِ ملازمت میں مشرف ہو کر ایک ایک فیض حاصل کیا۔ شیخ سیف الدین خضری نے اُن سے فرمایا کہ جب تو اس میں سب سے بیگانہ نہ ہوگا تب خدا سے یگانہ ہوگا ۔

تا خانۂ دل خالی از اغیار نیابی

بام • در ایں خانہ پُر از یار نیابی

شیخ سعیدالدین حموی اور شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا نے اُن سے یہ ارشاد کہ اے فرزند پردہ پوشی درویشی ہے، نہ خرقہ پوشی' اور خرقہ پوشی اس شخص حق ہے جو برادر مسلمان کا عیب چھپائے ۔خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی نے سے فرمایا" اے بھائی جب تک اس ارادہ میں دل سے نہیں چلے گا۔ فد لیدھانہ پڑے گا اور جب تک باچشم تر نہ ہوگا تب تک حاشا مقامِ قرب میں نہ پہنچے گا۔ اور یہ رباعی شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کے نتائج انفا متبرکہ سے ہے :۔

گیرم کہ بہ شب نماز بسیار کنی | در روز دوائے شخص بیمار کنی
تا دل نہ کنی زغصہ و کینہ تہی | صد خرمنِ گل بر سر یک خار کنی

کہتے ہیں کہ شیخ فریدؒ جب سفر سے مراجعت کر کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کو دہلی میں آئے، خواجہ اُن کے آنے سے نہایت محظوظ اور ہوئے اور غزنین دروازے کے قریب اُن کے لئے ایک حجرہ معین فرمایا اور اُن کی تربیت اور تہذیب میں مشغول ہوئے۔

بابا فرید قدس سرہٗ برخلاف دوسرے مریدوں مثلِ بدرالدین غزنوی وغیرہ

روانی کے دو ہفتے بعد اپنے پیر بے نظیر کی زیارت کو حاضر ہوتے اور لوگ
اشراوقات خواجہ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جب شیخ کا شہرہ حد سے زیادہ
ہوا اور خلقت ہجوم لاکر آنحضرت کی اوقات کے مزاحم ہوئی آپ خواجہ سے
رخصت ہوکر قصبہ ہانسی گئے اور اس مقام میں سکونت کر کے خواجہ کے بعد انتقال
دہلی میں آئے۔ اور خواجہ کے خرقہ اور عصا اور مصلّےٰ سے اختصاص پاکر خواجہ کی
خانقاہ میں استقامت فرمائی لیکن ایک ہفتے کے بعد جمعہ کے روز بہ نیت نماز
خانقاہ سے برآمد ہوئے تھے کہ ایک مجذوب سرہنگا نام جو ہانسی میں اکثر شیخ
کی صحبت میں مشرف ہوتا تھا دہلیز خانے میں ایستادہ تھا۔ وہ کرامی نے حضرت کے پاؤں
کو بوسہ دیا اور گریاں و نالاں ہو کر عرض کی۔ کہ میں آپ کی مفارقت میں بے طاقت
ہو کر ہانسی سے آیا ہوں اور اس ملک کے باشندے آپ کا اشتیاق ملازمت
حد سے زیادہ رکھتے ہیں۔ شیخ نے جب یہ کلام سنا اور خلائق کے ہجوم سے بھی
شکایت رکھتے تھے فرمایا کہ یہ نعمت مجھے خواجہ سے پہنچی ہے یہاں رہا تو کیا
وہاں رہا تو کیا۔ یہ فرمایا اور خواجہ کے صاحبزادوں سے مرخص ہو کر ہانسی کی سمت
روانہ ہوئے۔ جب وہاں بھی خلق کا ہجوم زیادہ ہوا شیخ جمال الدین ہانسوی کو
خرقہ تبرک دے کر اس مقام میں چھوڑا اور خود بدولت نے یہ ارادہ کر کے کہیں
اب کی مرتبہ ایسی جگہ جاؤں کہ کوئی مجھے نہ پہچانے مسافرت اختیار کی۔ جب قصبہ
اجودھن میں کہ فی الحال بہ پٹن شیخ فرید مشہور ہے اور دیپالپور کے قریب واقع
ہے پہنچے دیکھا کہ وہاں کے آدمی بیشتر کج خلق اور بدمزاج ہیں اور زاہد و عالم
سے کچھ غرض نہیں رکھتے ہیں اس لئے وہاں اقامت کر کے مشغول بحق ہوئے، نیز

یہ نقل کرتے ہیں کہ قصبہ کے نزدیک ذخیرہ درختوں کا تھا اور ایک درخت کے نیچے جو سب سے بڑا تھا اپنی کملی بچھا کر چند دن بفراغت اپنے کام میں مشغول ہوئے۔

شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ شیخ اس قصبے میں متاہل ہوئے اور جب آفریدگار عالم نے فرزند کرامت فرماتے تو مسجد جامع کے قریب ایک حویلی اپنے اہل و عیال کے لئے تعمیر کی اور خود اکثر اوقات اس مسجد میں لعبادت خدا بسر کرتے تھے لیکن جب آپ کی مشخیت کا آوازہ اطراف و اکناف میں منتشر ہوا تو گوشہ گیری نے فائدہ نہ بخشا۔ طالبان حق وہاں بھی رجوع ہوتے۔ شیخ بمجبوری و ناچاری خاص و عام سے بہ لطف تمام پیش آتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ جو تم مجھ پر توجہ فرماتے ہو تو ایک کام کرو۔ جدا جدا آیا کرو تاکہ نظر علٰحدہ علٰحدہ حاصل کرو۔

کہتے ہیں اجودھن کے قاضی نے وفور حسد سے در خصومت کھولا بس وہاں کے سپاہی اور جاگیردار قاضی کے اغوا سے شیخ کے فرزندوں کو مزاحمت پہنچاتے تھے۔ لیکن شیخ ہرگز ملتفت نہ ہوتے تھے کہ وہ کیا کرتا ہے اور ان پر کیا گزرتی ہے یہاں تک کہ قاضی نے ملتان کے اعیان اور صدر کو لکھا کہ جو شخص اہل علم سے ہو اور مسجد میں قیام کر کے راگ سنے اور رقص کرے اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب میں لکھا کہ پہلے تم اس شخص کا نام لکھو کہ وہ کون ہے۔ تاکہ ہم فتویٰ لکھیں۔ قاضی نے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا نام لکھا ملتان کے عالموں نے جب شیخ کا اسم شریف سنا قاضی سے نہایت رنجیدہ ہوئے اور لکھا کہ

نے ایسے درویش کا نام لکھا ہے کہ مجتہدین کو مجال نہیں ہے کہ اُس کے قول پر اعتراض کریں۔ لیکن قاضی باوجود اس حال کے اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ جب فرصت پاتا تھا بہ اتفاق جاگیرداروں کے آنجناب کے فرزندوں کو ایذا پہنچاتا تھا اور فرزند جب حضرت سے شاکی ہوتے تھے شیخ اُن سے فرماتے تھے جو ظلم چاہیں کریں خود ہی اُن سے انتقام لیا جائے گا۔

لکھا ہے چند روز گذرے تھے کہ دشمن متفرق اور پریشان ہوئے۔ اور باقی ماندگان نے شیخ کے فرزندوں کی اطاعت اور محبت اختیار کی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی یہ عادت تھی کہ نماز کے بعد قریب دو ساعت کے سر خاکِ نیاز پر رکھ کر ساتھ حق کے مشغول ہوتے تھے۔ اور جاڑے کے موسم میں مرید حضرتؒ پر پوستین ڈال دیتے تھے۔ شیخ نظام الدینؒ اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے سوا مریدوں میں کوئی نہ تھا کہ ایک قلندر چرم پوش حلقۂ بگوش آیا اور بہ آواز بلند ہر طرح کے رطب و یابس کہنے شروع کئے۔ شیخ نے حالتِ سجود میں فرمایا کہ یہاں کوئی موجود ہے؟ میں نے عرض کی آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔ پھر فرمایا میرے قریب ایک قلندر ایستادہ ہے؟ میں نے عرض کی کہ ہاں۔ پھر فرمایا زنجیر کمر پر رکھتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر ارشاد کیا حلقۂ سفید کان میں رکھتا ہے؟ میں نے عرض کی کہ پہنے ہے۔ الحاصل جب میں اس پر نظر کرتا تھا اس کا رنگ تبدیل اور متغیر ہوتا تھا شیخ نے پھر حالت سجدہ میں فرمایا۔ کہ اے نظام الدینؒ وہ ایک چھری برہنہ کمر میں رکھتا ہے اس سے کہو کہ فضیحت نہ ہو، یہاں سے دفع ہو۔ قلندر یہ سنتے ہی

بھاگ گیا۔ کہتے ہیں اجودھن کے قاضی نے زرِ خطیر قلندر کو دے کر شیخ کی شہادت پر راضی کیا تھا کہ عین سجدے میں آنجناب کو شہید کرے۔

شیخ نظام الدینؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ فریدؒ سجادے پر بیٹھے تھے اور اسی طرح سے ایک قلندر نے آکر بہ آواز درشت کہا۔ کیا تو نے خود آرائی کی ہے اور خلق کو اپنی پرستش کے لئے چھوڑا ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ میں نے نہیں کی خدائے تبارک و تعالیٰ نے کی ہے اس لئے کہ کوئی شخص سوا خدا تعالیٰ کے اپنے تئیں ایسا نہیں بنا سکتا۔ قلندر شیخ کے حسنِ خلق پر شاخواں ہو کر معتقد ہوا۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ دہلوی اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک درویش گدڑی پہنے ہوئے شیخ کے پاس آیا۔ شیخ نے اُسے کچھ دے کر رخصت کیا، اس نے ایستادہ ہو کر کنگھی جو حضرت نے کنگھی دان سے نکال کر مصلے پر رکھی تھی طلب کی اور شیخ نے اس کنگھی کو جو مدت سے استعمال میں لاتے تھے۔ حقیر جان کر اس کو جواب نہ دیا۔ درویش بے شرم نے بہ آوازِ بلند کہا۔ اے شیخ! اگر تو یہ کنگھی مجھے دے تو تجھے برکت تمام حاصل ہو۔ شیخ نے فرمایا۔ جا اس سے زیادہ میرا مزاحم حال نہ ہو۔ تجھے اور تیری برکت کو میں نے آبِ رواں میں ڈالا۔ قصہ کوتاہ فقیر عازمِ سفر ہوا جب اس چشمے پر جو قصبہ اجودھن کے باہر جاری ہے پہنچا اور کپڑے اتار کر غسل کے لئے دریا میں اترا تو بحرِ فنا میں ڈوب کر ایسا غوطہ لگایا کہ پھر کسی نے اُس کا نشان نہ پایا۔ کہ کیا ہوا۔

روایت ہے کہ قصبہ اجودھن کے حاکم نے قاضی کے وسوسے سے شیخ کے فرزندوں پر حد سے زیادہ سختی کی۔ ایک دن شیخ کے بڑے صاحبزادے نے آزردہ ہو کر باپ سے عرض کی کہ آپ کی بزرگی سے ہمیں یہ فائدہ پہنچا ہے کہ حاکم کی طرف سے رات دن غم والم میں رہتے ہیں۔ شیخ یہ کلام سن کر آزردہ ہوئے اور عصا جو ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اٹھا کر زمین پر مارا۔ اسی دم حاکم دردِ شکم میں گرفتار ہوا اور کہا مجھے شیخ کے مکان پر لے چلو ابھی حضرت کے مکان پر نہ پہنچا تھا کہ اس کا طائرِ روح اثنائے راہ میں قفسِ تن سے پھڑک کر نکل گیا۔

نقل ہے کہ اجودھن میں ایک عامل مجرد تھا۔ وہاں کا حاکم اس پر جور و تعدی کرتا تھا۔ وہ شیخ کے پاس پناہ لایا اور التماسِ شفاعت و سفارش کی۔ شیخ نے پہلے اپنا خادم حاکم کے پاس بھیج کر پیغام کیا۔ کہ اس درویش کی منت کے سبب اس عامل درویش کے ظلم سے دستِ کوتاہ کرو۔ حاکم نے شیخ کے فرمانے پر کچھ التفات نہ کی بلکہ جور و جفا زیادہ کرنے لگا۔ مجرد نے پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقتِ حال بیان کی۔ شیخ نے ارشاد کیا کہ میں نے تیری سفارش حاکم سے کی تھی۔ لیکن اس نے توجہ نہ کی۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شاید قبل اس کے تیرے پاس بھی دادخواہی کی تھی۔ اور تو نے رسی بھر التفا(ت نہ کیا)
اور عرض کی کہ میں صدقِ دل سے توبہ کرتا ہوں کہ من بعد میں کسی کو نہ ستاؤں گا۔ اگرچہ دشمنی ہی ہو۔ منقول ہے کہ اس وقت حاکم نے اسے طلب کر کے خلعت اور گھوڑا مرحمت کر دیا اور اس کی تقصیر معاف کی اور خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس بے ادبی سے استغفار کی۔ میں نے کتب سیر المشائخ میں دیکھا ہے کہ ایک

جوان شہر دہلی سے شیخ کی زیارت کے واسطے قصبہ اجودھن کی طرف متوجہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک مطربہ اسے دیکھ کر عاشق ہوئی اور وصل کی تدبیریں کرنے لگی۔ جب اس جوان نے اس کی طرف کچھ التفات نہ کی تو ہمراہی اختیار کر کے ہر لحظہ اور ہر ساعت سرگرم ناز و کرشمہ آدم فریب ہوتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ایک روز کسی تقریب سے دونوں ایک بہلی پر سوار ہوئے۔ مطربہ نے اس قدر غمزہ اور عشوہ اس جوان سے کئے کہ جوان کو بھی کچھ خواہش اُس کی طرف ہوئی اور چاہا کہ ہاتھ دراز کرے۔ اُس حال میں ایک مرد آیا اور طمانچہ اُس کے منہ پر مارا اور یہ بات کہی کہ شیخ کی خدمت میں بغرض توبہ و انابت جاتا ہے اور دل فسق و فجور میں باندھتا ہے۔ یہ کہہ کر غائب ہوا۔ نوجوان متنبہ ہو کر مطربہ کے وصل سے باز رہا اور جب شیخ کی خدمت میں پہنچا شیخ نے فرمایا۔ اے جوان تو نے مطربہ کی طرف میل کیا تھا۔ حق سبحانہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے نگاہ رکھا۔ جوان نے یہ کلام سن کر شیخ کے قدم پر سر رکھا اور با اعتقاد تمام مرید ہوا۔

نقل ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے ایک مرید تھے۔ انہیں لوگ محمد شہ غوری کہتے تھے۔ وہ مرید صادق و پرہیزگار تھے۔ ایک وقت وہ نہایت مضطرب و متحیر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے پوچھا کہ اے محمد شہ تجھے کیا پیش آیا ہے جو اس قدر پریشان خاطر ہے؟ اس نے عرض کی کہ میرا بھائی شدت مرض سے قریب ہلاکت ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ میں اسے جا کر زندہ دیکھوں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں تمام عمر درگاہ الٰہی میں اس طرح محزون رہتا ہوں جیسا کہ اس وقت تو محزون و مغموم ہے۔ لیکن کسی سے اظہار نہیں کرتا

اپنے گھر جا انشاء اللہ تیرے بھائی نے شفائے کامل پائی ہے۔ محمد شہ غوری جب مکان میں آیا تو اپنے بھائی کو دیکھا کہ صحیح و سالم بیٹھا کھانا کھاتا ہے اور کسی طرح کی زحمت و علالت نہیں رکھتا۔

شیخ نصیر الدین محمد اودھیؒ اپنے پیر بے نظیر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک وقت شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر کو ایک مرض سخت لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ آپ نے چند روز آب و طعام کی طرف مطلق رغبت نہ کی۔ آپ کے صاحبزادوں اور دوستوں نے اطبائے حاذق کو طلب کر کے نبض و قارورہ دکھایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مرض ہماری تشخیص میں نہیں آتا۔ کہ شیخ کس زحمت میں مبتلا ہیں۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے۔ دوسرے دن مرض نے اور شدت اختیار کی شیخ نظام الدینؒ اولیا فرماتے ہیں کہ اس وقت شیخ نے مجھے اور اپنے فرزند شیخ بدرالدین سلیمان کو طلب فرمایا اور مشغولیٔ حق کے واسطے اشارہ فرمایا۔ جب رات ہوئی ہم دونوں حکم کے موافق مشغول حق ہوئے۔ اس رات شیخ بدرالدین سلیمان نے خواب میں دیکھا کہ ایک پیر مرد فرماتے ہیں کہ تیرے باپ پر سحر کیا ہوا ہے۔ شیخ بدرالدینؒ سلیمان نے پوچھا کس نے سحر کیا ہے؟ پیر نے فرمایا شہاب الدین ساحر کے فرزند نے شہاب الدین نامی ایک ساحر قصبہ اجودھن میں نہایت مشہور گذرا تھا۔ شیخ بدرالدین سلیمان نے اُن سے پھر سوال کیا۔ کہ سحر کس طرح دور ہو گا؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص شہاب الدین ساحر کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھے اور وہ کلمات جو پیر نے شیخ بدرالدینؒ سلیمان کو خواب میں تلقین کئے تھے انہیں یاد رہے، اور وہ یہ تھے۔

یا ایها المقبور المبتلا اعلم ان ابنک قد سحر فلاناً فقل یکف باسہ والا یلحق بہ ما یلحق بنا۔

یعنی کہ اے قبر میں گڑے ہوئے مصیبت میں مبتلا جان کے تیرے بیٹے نے فلاں شخص پر سحر کیا ہے، پس اُس سے کہہ دے کہ باز رکھے اپنے سحر کو ورنہ اس کو پہنچے گا جو کچھ ساتھ ہمارے پہنچا ہے۔ فجر کو شیخ بدرالدین سلیمان نے اپنے مریدوں کے ہمراہ باپ کی خدمت میں جاکر رات کا واقعہ جو خواب میں نظر آیا تھا عرض کیا۔ شیخ نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اِن کلمات کو یاد کرکے شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کرو اور پیر کے حسب فرمائش عمل میں لاؤ۔ میں شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کرکے وہاں گیا اور اس کی قبر پر بیٹھ کر کلمات مذکورہ پڑھے۔ اس کی قبر پختہ تھی اور ایک مقام پر اس کی مٹی کچھ افتادہ تھی میں نے ملہم غیبی کے اشارے سے اُسے کھود ا۔ ناگاہ اُس میں سے ایک پتلا آٹے کا برآمد ہوا اور اس پتلے کے جسم میں جابجا سوئیاں چبھوئیں تھیں اور اِس صورت پر گھوڑے کی دم کے بال محکم باندھے تھے۔ غرضکہ میں اسی طریق سے اِس پتلے کو شیخ کے روبرو لایا اور اس جناب کے حکم سے وہ سوئیاں نکالنے اور بال کھولنے میں مشغول ہوا۔ جوں جوں سوئیاں اُس پتلے کے جسم سے برآمد ہوتی تھیں اور بال کھلتے تھے شیخ کو ایک راحت اور صحت محسوس ہوتی تھی۔ جب سوئیاں برآمد ہوچکیں اُس وقت اِس پتلے کو شیخ کے اشارے کے بموجب توڑکر آب رواں میں پھینک دیا۔ اس کے بعد یہ خبر اجودھن کے حاکم کو پہنچی۔ اُس نے شہاب الدین ساحر کے فرزند کو گرفتار کرکے شیخ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ یہ شخص واجب القتل

ہے۔ اگر حکم ہو تو آپ کے قصاص میں اس کی گردن ماردوں؟ شیخ نے سفارش کی اور فرمایا۔ چونکہ حکیم علی الاطلاق نے مجھے صحت کرامت فرمائی ہے میں نے اس کے شکریے میں اس کا گناہ معاف کیا اور تم بھی اس کی خطا بخش دو۔

شیخ نظام الدین اولیاء سے نقل ہے کہ ایک روز میں شیخ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ پانچ درویش ولایت ترکستان سے سیر کناں اجودھن میں پہنچے، وہ سب فقیر کج خلق اور منہ پھٹ تھے۔ شیخ کے پاس جاکر یوں گویا ہونے کہ ہم تمام جہان میں پھرے، کوئی درویش جیسا کہ ہونا چاہیئے ہمیں نہیں ملا، مدعی خود غرض دنیا دار بہت ہیں۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ تم ایک ساعت توقف کرو میں تمہیں ایک درویش دکھاؤں۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے شیخ نے فرمایا اگر جاتے ہو تو خبردار فلاں راستے سے نہ جانا، انہوں نے شیخ کے فرمانے پر التفات نہ کی اور جان بوجھ کر اسی راہِ ممنوع کی سمت روانہ ہوئے۔ یہ امر دیکھ کر شیخ نے آبدیدہ ہو کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ چند روز کے بعد اطلاع پہنچی کہ پانچوں آدمیوں کو بادِ سموم نے مارا۔ چار تو فوراً مر گئے اور ایک شخص ان میں سے ایک کوئیں پر جا پہنچا اور اس قدر پانی پیا کہ وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

کتاب خیر المجالس میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک طالب علم نصیر الدین نام شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ رعونت سے خالی نہ تھا۔ ایک دن ایک جوگی جماعت خانہ میں پہنچا۔ نصیر الدین نے اس سے پوچھا کہ سر کے بال کس چیز سے دراز ہوتے ہیں؟ چونکہ اس زمانے کے مشائخ سر کے بال نہایت مکروہ جانتے تھے اور ہمیشہ سر منڈاتے تھے اور موئے دراز کے

بارے میں حدیث تحت کل شعرۃ خبابہ نقل کرتے تھے۔ اس وجہ سے شیخ نظام الدینؒ کو نصیر الدین کی وہ بات گراں گذری۔ انہی دنوں خواجہ وجیہ الدینؒ نواسہ خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ شیخ کے پاس اجودھن میں آئے اور بیعت کے طالب ہوئے اور اپنے سر کے بال ترشوانے کی التماس کی شیخ فرید الدینؒ نے فرمایا، میں نے آپ کے خانوادہ عظیم الشان کے مائدہ فیض سے ایک ریزہ نان کی دریوزہ گری کی ہے، یہ منافی ادب ہے کہ میں آپ کو دست بیعت دے کر مرید کروں، خواجہ وجیہ الدینؒ نے عرض کیا کہ آپ کا مثل اس زمانے میں کہاں ہے کہ اس کی خدمت میں جا کر سعادت حاصل کروں! اور میں اس بارے میں بضد ہوں۔ آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا۔ شیخ نے جب انہیں مصر دیکھا تو اس منبع اخلاص کو خرقۂ خاص دے کر سرفراز فرمایا اور سر کے بال ترشوائے۔ اسی عرصے میں نصیر الدین متعلم بھی کہ درازی بال کے مقید تھے انہوں نے بیعت کر کے سر کے بال دور کیے، اور جو سرمایہ کہ تجارت کے لئے رکھتے تھے درویشوں کے صرف میں لائے اور شیخ کی توجہ سے فقر اختیار کیا۔

کتاب خیر المجالس ملفوظہ شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ میں مسطور ہے کہ ایک دن شیخ اپنے حجرے میں بذکر حق مشغول تھے کہ ایک قلندر نے آکر شیخ کی گلیم پر اجلاس کیا اور مولانا بدر الدین اسحٰقؒ نے تھوڑا طعام حاضر کیا۔ قلندر نے کھانا تناول کر کے کہا کہ میں شیخ کے دیکھنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ جواب دیا گیا کہ اس وقت شیخ ذکر حق میں مشغول ہیں۔ اس وقت کوئی شیخ کی خدمت میں نہیں جا

سکتا۔ قلندر اسی وقت اپنی جھولی میں سے گیاہ سبز یعنی بھنگ کہ وہ اس قوم کے ساتھ منسوب ہے نکال کر کچکول میں ڈال کر گھوٹنے میں مشغول ہوا چنانچہ اس میں سے کچھ شیخ کے کمبل پر جس پر وہ بیٹھا تھا گری۔ مولانا بدرالدینؒ نے اس سے یہ بات کہی کہ اے درویش! بے ادبی حد سے زیادہ نہ چاہیئے۔ یہاں سے اٹھ کر علیحدہ بیٹھو! یہ سنتے ہی قلندر طیش میں آکر کچکول اٹھا کر مولانا بدرالدین کو مارا چاہتا تھا کہ شیخ نور باطن سے دریافت کر کے حجرے سے برآمد ہوئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کر بنت کہا کہ آپ یہ گناہ میرے کہنے سے بخشیں۔ قلندر نے جواب دیا کہ اوّل فقیر ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب اٹھاتے ہیں تو جب تک کسی کے ماتھے نہیں جاتی نہیں اتارتے ہیں۔ شیخ نے کہا اس دیوار پر اتار دیجئے اس فقیر نے کچکول دیوار پر کہ نہایت مستحکم تھی مارا اور وہ دیوار فوراً گر پڑی۔ اس وقت قلندر سرنگوں ہو کر عرض نیاز کر کے رخصت ہوا اور شیخ فریدنے خواجہ بدرالدینؒ اسحٰق سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ لباس عام میں بھی خاص ہوتے ہیں اور وہ گھاس کہ اس نے گھوٹی تھی شاید وہ نہ ہو کہ قلندر استعمال کرتے ہیں اور شاید اس نے امتحان کے واسطے نکال کر گھوٹی ہو۔

نقل ہے کہ مولانا بدرالدینؒ اسحٰق بخارا کے رہنے والے تھے' اور علم معقول و منقول سے خوب واقف تھے کہ آپ کا مثل نہ تھا۔ دہلی میں مدرسہ معزی میں درس دیتے تھے اور درویشوں سے اعتقاد نہ رکھتے تھے اور ان سے اور ان کے معصروں سے کئی مسائل مشکل حل نہ ہوتے تھے۔ اس لئے بخارا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب اجودھن میں پہنچے تو ان کے ہمراہی شیخ فرید کی زیارت

کے لئے عازم ہوئے اور مولانا سے عرض کی آپ بھی ہمارے ساتھ شیخ کی زیارت کو تشریف لے چلیں نہایت احسان ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا تم جاؤ ہم نے ایسے شیخ بہت دیکھے ہیں یہ لوگ ایسی لیاقت نہیں رکھتے کہ کوئی شخص ان کی صحبت میں اپنی اوقات ضائع کرے لیکن رفقا مصر ہوکر انہیں اپنے ہمراہ لے گئے اور شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر نے اس صحبت میں بہ تقریبات اُن کی تمام مشکلات حل فرمائیں۔ مولانا بدرالدینؒ اسحٰق نے وہ حالت مشاہدہ کرکے عزیمت بخارا ترک کی اور شیخ کے ایسے معتقد ہوئے کہ ہر روز صحرا سے ایک پشتارہ لکڑیوں کا اپنے سر پر رکھ کر شیخ کے مطبخ میں لاتے تھے اور دن بدن فیض حاصل کرتے تھے۔ آخرالامر شیخؒ اپنی بیٹی مولانا کے حبالہ نکاح میں لائے اور ان کو اپنی دامادی سے مشرف کیا۔

شیخ نصیرالدینؒ سے منقول ہے کہ قصبہ رجودھن سے چار کوس کے فاصلے پر ترک قتالی ایک حاکم تھا۔ اس کے پاس ایک شاہین تھا کہ ہرن کا بچہ اور کلنگ کا شکار کرتا تھا اور حاکم اسے نہایت دوست رکھتا تھا اور اسے میر شکار کے سپرد کرکے یہ تاکید کی تھی کہ خبردار تو میری غیبت میں کسی جانور پر نہ چھوڑنا مبادا پرواز کرے اور پھر دستیاب نہ ہو۔ قضارا وہ میر شکار اپنے احباب کو لے کر ایک موضع کی طرف سوار جاتا تھا۔ اس اثنا میں کئی کلنگ دکھائی دیے اور اس کے دوستوں نے شاہین چھوڑنے کی تکلیف دی اور یہ بات کہی کہ ہم دس بارہ سوار ہیں اور گھوڑے چالاک راہوار رکھتے ہیں اسے کسی طرف جانے نہ دیں گے جب مبالغہ حد سے گذر گیا تو میر شکار نے ناچار اسے اڑایا۔ ناگاہ

کلنگ ایک طرف پرواز کر گئے اور باز ایک سمت پرواز کر کے ایسا بلند ہوا
کہ نظر سے غائب ہوا۔ ہر چند تلاش کی عنقا کی طرح اس کا کہیں نشان نہ ملا۔
میر شکار ترک کے قہر و سیاست کے خوف سے گریاں و چاک گریبان ہو کر بہزار
محنت اجودھن میں پہنچا اور اس طرح کہ جیسے کسی کا جوان بیٹا مر جاتا ہے
جزع فزع کرتا ہوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا عرض کیا۔ اور یہ بھی کہا
کہ اگر باز مجھ کو دستیاب نہ ہوگا تو ترک مجھے زندہ نہ چھوڑے گا اور میرے
زن و فرزند کو قید کرے گا۔ شیخ کو اس کے حال پر رحم آیا، متوجہ ہوئے اور اس
کے لئے کھانا موجود کر کے فرمایا کہ اسے تناول کر! خداوند کریم ہے، شاید
تیرا باز دستیاب ہو۔ یہ کلام ابھی تمام نہ ہوا تھا کہ شاہین آکر ایک درخت پر
بیٹھا اور میر شکار اسے دستیاب کر کے نہایت خوش ہوا اور شیخ کا ممنونِ احسان
ہو کر اپنی سواری کا گھوڑا پیش کیا۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا گھوڑا تیرے لئے ضروری
ہے تو اس پر سوار ہو کر شاہین اپنے صاحب کو پہنچا اور جو کچھ تجھے میسر ہو خدا کی
راہ میں فقیروں کو دے۔ خلاصہ یہ کہ میر شکار نے شاہین اپنے صاحب کو دے
کر جو کچھ مالِ دنیوی سے رکھتا تھا فقراء کو دے کر نوکری ترک کی اور شیخ کا
مرید ہوا، شاہین کا مالک بھی باز کے گم ہونے کا قصہ سن کر شیخ کی ملازمت
میں حاضر ہوا۔

شیخ نصیر الدینؒ اودھی نے نقل کی ہے کہ قصبہ اجودھن کے اطراف میں
ایک موضع تھا اور اس موضع میں ایک روغن فروش مسلمان رہتا تھا جب دیپالپور
کے داروغہ نے کسی سبب سے اس موضع پر چڑھائی کر کے تاراج کیا اور لوگوں

کے زن و فرزند اسیر ہوئے تو روغن فروش کی عورت بھی کہ بہت جمیلہ تھی اسیر ہوئی۔ اس سبب سے روغن فروش گریاں و باسینہ بریاں ہر طرف اس کی تلاش میں دوڑا۔ جب کہیں اس کا سراغ نہ ملا۔ پریشان بدحال شیخ کی خدمت میں آکر عرضِ حال کی۔ شیخ نے ایک لحظہ تامل کر کے فرمایا تو تین دن یہاں رہ۔ دیکھ حق سبحانہٗ تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں لاتا ہے۔ پھر روغن فروش کے روبرو کھانا حاضر کر کے شکم سیر کھلایا۔ دوسرے دن ایک محرر کو کسی مقام سے قید کر کے اجودھن میں لائے، وہ محافظوں کو موافق کر کے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی سرگذشت بیان کی اور التماس دعا کی۔ شیخ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ تجھے رہا کرے اور حاکم تجھ پر نظر شفقت و عنایت مبذول کرے تو کیا شکرانہ بجا لائے گا؟ اس نے عرض کی کہ میں جو کچھ نقد و جنس رکھتا ہوں پیش کش کر دوں گا۔ شیخ نے فرمایا یہ سب مال میں نے تجھے معاف کیا۔ ایک عہد کر۔ وہ یہ ہے کہ داروغہ تجھے خلعت کے بعد ایک کنیز دے گا۔ تو اس کنیز کو اس روغن فروش کے حوالے کرنا۔ محرر نے شیخ کا فرمان بصدق دل قبول کیا اور روغن فروش سے یہ بات کہی کہ تو میرے ہمراہ چل۔ روغن فروش نے رو کر کہا۔ کہ یا شیخ ابھی مجھے یہ مقدرت حاصل ہے کہ دس لونڈیاں خرید کر دوں۔ میں اپنی زوجہ پر شیفتہ بلکہ عاشق زار ہوں۔ شیخ نے تبسم کر کے فرمایا۔ بھلا تو اس محرر کے ہمراہ جا۔ دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ ناچار وہ گیا اور محرر کے مکان کے قریب غمگین بیٹھا۔ محرر کو جب داروغہ کے سامنے لے گئے۔ بغیر فہمید محاسبہ کے اُسے خلعت اور گھوڑا دے کر رخصت کیا اور پیچھے سے ایک کنیز حسین

ر جبین بھی بھیجی۔ محرر نے وہ لونڈی جس طرح برقع پوش آئی تھی روغن فروش
کے پاس بھیجی اور یہ پیغام دیا کہ یہ حق تیرا ہے۔ اُس عورت کی جونہی نظر خاوند پر
پڑی برقع دُور کر کے دوڑی۔ دونوں شاداں و فرحاں شیخ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور سر اُن کے قدم مبارک پر رکھ کر مرید ہوئے۔

۷ حضرت شیخ فریدالدینؒ مسعود ملقب بہ گنج شکر ہیں اس لقب کے
بارے میں بہت روایتیں مشہور ہیں۔ لیکن تاریخ حاجی محمد قندھاری میں یوں
مسطور ہے کہ جن دنوں شیخ دہلی میں خواجہ بختیار کاکی کی ملازمت میں رہتے
تھے اور غزنین دروازے کے قریب مسکن تھا۔ ایک روز برسات کے موسم
میں راستوں میں نہایت کیچڑ تھی۔ پیر کے دیکھنے کا اشتیاق غالب ہوا، پاؤں
میں نعلین چوبی پہن کر شیخ کی خانقاہ کی سمت متوجہ ہوئے اور چونکہ سات
دن گذرے تھے کہ شیخ فرید نے روزے کے سبب کچھ تناول نہ فرمایا تھا
اس لئے ضعف نہایت غالب تھا۔ اثنائے راہ میں آپ کے پاؤں نے لغزش
کی اور کیچڑ میں گر پڑے، یہاں تک کہ کچھ مٹی آپ کے دہن مبارک میں داخل ہوئی
اور حکم خدا سے وہ شکر ہو گئی۔ جب شیخ اپنے پیر کی خدمت میں پہنچے تو
انہوں نے فرمایا اے فرید تھوڑی سی مٹی تیرے دہن میں پہنچ کر شکر ہو گئی کیا
تعجب ہے جو قادر ذوالجلال نے تیرے تمام جسم کو گنج شکر کیا ہو اور وہ اپنے
فضل و کرم سے ہمیشہ تجھے شیریں رکھے گا۔ شیخ نے شکر شکرِ الٰہی دہن میں ڈال
کر جب بازگشت کی تو جس مقام میں پہنچتے تھے سنتے تھے کہ لوگ آپس میں
کہتے ہیں شیخ فریدالدین مسعودؒ گنج شکر آتے ہیں۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ ایک دن اثنائے سفر میں بنجارے دہلی میں نمک لاتے تھے۔ شیخ فریدؒ سے دوچار ہو کر تھوڑی شکر خدمت میں لائے اور یہ التماس کی کہ ہمارے حق میں دعا کیجئے تاکہ ہماری پونجی میں برکت ہو اور بقیمت زیادہ خوب بکے۔ شیخ نے اس گمان سے کہ یہ تمام شکر لادے ہیں توجہ کر کے فاتحہ پڑھا اور بنجارے دس روز کے بعد دہلی میں پہنچے۔ جب بوریوں کو کھول کر دیکھا تو شکر تھی۔ اس سبب سے شیخ خاص و عام میں فریدالدین مسعود گنج شکر ملقب ہوئے

اس کتاب کے مؤلف محمد قاسم فرشتہ نے اپنے زمانے کے بعض مشائخ سے یوں سنا ہے کہ شیخ کو لڑکپن میں جس طرح کہ لڑکوں کی عادت ہوتی ہے شیرینی کی طرف بہت رغبت تھی آپ کی والدہ نے ارادہ کیا کہ یہ صبح کی نماز کی عادت ڈالیں۔ اپنے نورعین سے فرمایا کہ اے فرزند جو شخص صبح کی نماز جلد ادا کرتا ہے حق تعالیٰ اُسے شکر عنایت فرماتا ہے اور آپ یہ کام کرتی تھیں کہ شکر ایک پڑیا میں لپیٹ کر آپ کے سرہانے رکھ دیتی تھیں۔ شیخ بعد فراغ دوگانہ اپنے سرہانے سے شکر اٹھا کر نوش کرتے تھے یہاں تک حضرت کا سن بارہ برس کا ہوا۔ آپ کی والدہ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اب فرزند بفضل خدا ہوشیار ہوا ہے۔ شکر رکھنے کی حاجت نہیں اس کا رکھنا موقوف کیا۔ لیکن قسام ازل نے اس کا وظیفہ موقوف نہ فرمایا۔ اور وہ اسی طرح پہنچتا رہا۔ لیکن آپ کی والدہ کو اس امر کی اطلاع نہ تھی۔ جب دیکھا کہ فرزند شکر موقوف ہونے کی شکایت نہیں کرتا تو ایک دن پوچھا اے فرزند تجھے شکر ملتی ہے؟ شیخ نے کہا ہاں برابر ملتی ہے۔ وہ عفیفہ سمجھیں کہ شاید کوئی کنیز شیخ کے سرہانے شکر رکھ دیتی ہے لیکن جب دریافت

لیا معلوم ہوا کہ یہ کام مخلوق کا نہیں ہے شیخ کے وفورِ اعتقاد اور حسن اخلاق کی برکت سے شکر کی یہ پڑیا غیب سے پہنچتی ہے۔ لہٰذا حضرت کا لقب گنج شکر ہوا۔

شیخ نظام الدینؒ ناقل ہیں کہ شیخ فریدالدینؒ گنج شکر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر کوئی عارضہ بھی ہوتا یا سفر کرتے روزہ افطار نہ فرماتے تھے اور اکثر اوقات آپ شیرینی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کچھ دانے منقیٰ کے ایک ظرف میں ڈال کر پانی میں بھگوتے تھے اور اس کا شربت نکال کر افطار کے وقت بمقدار تین درہم نوش فرماتے تھے اور دو تین دانے منقے کے دہن مبارک میں ڈالتے تھے۔ اور باقی حاضرین مجلس پر تقسیم فرماتے تھے اور دو روٹیاں گھی میں تل کر افطار کے بعد اُن کے پیش کرتے تھے وہ اس میں سے کم و بیش ایک تہائی روٹی کھاکر باقی حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس کے بعد بہ استغراق نمازِ عشاء میں مشغول ہو جاتے تھے جب ابتدائے حال میں قصبہ اجودھن میں آکر ساکن ہوئے تو نذریں کم پہنچتی تھیں۔ ان دنوں شیخ اور ان کے اہل و عیال پیلو اور ڈیلہ وغیرہ سے کہ ولایت کے جنگل میں پیدا ہوتا ہے اوقات بسر کرتے تھے۔ چنانچہ اتفاقِ حسنہ سے اس عرصے میں بادشاہ ناصرالدین حاکم دہلی جو اوچ اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تھا اس کا گذر اجودھن میں ہوا اور شیخ کی زیارت سے مشرف ہو کر شیخ کی حقیقتِ حال سے واقف ہوا اور اپنے لشکر گاہ میں پہنچ کر اس نے فرمان چار موضع کلاں کی معافی کا اور کچھ زرِ نقد الغ خاں وارد و حد و دآب کی صحابت سے شیخ کے

پاس بھیجا۔ شیخ نے فرمانِ دیہات واپس کیا اور فرمایا کہ فقرا کو دیہات سے کام ہے۔ اور زرِ نقد قبول کر کے جماعت خانے کے درویشوں کو تقسیم کیا۔

روایت ہے کہ اجودھن میں شیخ مرضِ سخت میں مبتلا ہوئے کہ امید زندگی نہ تھی۔ شیخ نظام الدینؒ اولیا، شیخ جمال الدینؒ اسحٰق ہانسوی، مولانا بدر الدین اور درویش علیؒ بہار کو شیخ نے اشارہ کیا کہ فلاں گورستان میں جا کر دعائے خیر میں مشغول رہیں۔ چنانچہ یہ بزرگوار حکم کے موافق اس مقام میں جا کر دعا میں مصروف ہوئے اور فجر کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں میں نے شیخ کو آکر اس حال میں دیکھا کہ ایک کمبل سیاہ شانوں پر ڈال کر اس پر تکیہ کئے اور عصا جو خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی سے انہیں ملا تھا آغوش میں رکھے ہوئے لحظہ بلحظہ دستِ حق پرست اس پر کھینچ کر اپنے روئے مبارک پر ملتے ہیں۔ جب نظر ہم پر پڑی تو فرمایا یاروں کی دعا نے کچھ اثر نہ دکھایا! یہ سنتے ہی ہم سب سرنگوں ہو کر سکوت میں آگئے لیکن درویش علی جو سب سے آگے کھڑا تھا اس نے یہ عرض کی دعا ناقصوں کی کاملوں کے حق میں اثر نہیں کرتی۔ شیخ نظام الدینؒ اولیا۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت شیخ نے مجھے بلا کر عصائے مذکور مرحمت کیا اور یہ فرمایا کہ میں خدا سے چاہتا تھا کہ تو جو خدا سے چاہے گا پائے گا۔ میں سرنگوں ہو کر پلٹ آیا۔ اور میرے ہمراہی بھی میرے ساتھ پلٹ آئے اور مبارک باد کہنے لگے۔ اس کے بعد سب اعزا اپنے اپنے مقام پر گئے اور میرے دل میں یہ خطور ہوا کہ شیخ نے میری دعا کی اجابت کے واسطے حق سبحانہٗ تعالےٰ سے درخواست فرمائی ہے اور یقین ہے کہ شیخ کی

دعا مستجاب ہو۔ بہتر یہ ہے کہ آج شب پھر شیخ کی صحت کے واسطے قیام کروں۔ غرض یہ کہ جب دعا میں مشغول ہوا تو آخر شب کو مجھے ایک بشاشت حاصل ہوئی اور معلوم ہوا کہ میری دعا درگاہِ الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ صبح کو جب شیخ کی خدمت میں گیا دیکھا کہ مصلے پر رو بہ قبلہ بفراغ خاطر رونق افزا ہیں۔ اور درد والم بالکل زائل ہوا ہے جب حضرت کی نظر مجھ پر پڑی فرمایا۔ اے درویش نظام الدینؒ جب میری دعا تیرے حق میں قبول ہوئی تو تیری دعا بھی میرے حق میں مستجاب ہوئی۔ یہ فرما کر وہ مصلے جس پر تشریف رکھتے تھے مجھے مرحمت فرمایا۔

کتاب فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ جب شیخ فریدؒ ہانسی سے آکر قصبہ اجودھن میں ساکن ہوئے تو اپنے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین المشہور بہ متوکل کو اپنی والدہ کو لانے کے لئے قصبہ کھوتوال کی سمت بھیجا۔ شیخ نجیب الدینؒ جب اس قصبے میں پہنچے اپنی والدہ کو گھوڑے پر سوار کر کے قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن اس راستے میں جنگل بہت تھا اور پانی کمیاب جب آدھی راہ طے ہوئی ایک روز والدہ کو ایک درخت کے سائے میں بٹھا کر خود گھوڑے پر سوار ہو کر پانی کی تلاش میں گئے۔ پانی تلاش کر کے جب اس درخت کے نیچے آئے اپنی والدہ کو نہ دیکھا۔ مضطرب اور حیران ہو کر ہر سمت دوڑے لیکن کہیں ان کا نشان نہ پایا۔ ناچار با دل غمگین و خاطر حزیں قصبہ اجودھن کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ فرید الدینؒ گنج شکر سے سارا قصہ بیان کیا۔ شیخ نے کچھ تصدق فقراء کو پہنچا کر صلحاء کو کھانا کھلایا۔ پھر ایک مدت کے بعد

شیخ نجیب الدینؒ المشہور بہ متوکل کا اسی جنگل میں گذر ہوا جب اس درخت پر نگاہ پڑی آپ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اس نواح کے گرد پھر کر دیکھے شاید والدہ کی ہڈیوں کا نشان ملے۔ جب آگے بڑھے ایک جگہ کچھ ہڈیاں پڑی دیکھیں۔ صفائی باطن سے سمجھے کہ یہ ہڈیاں والدہ کی ہیں۔ پھر تمام ہڈیاں جمع کر کے ایک خریطے میں بھریں اور شیخ کی خدمت میں پہنچ کر حقیقت حال عرض کی۔ شیخ نے فرمایا خریطہ لاؤ۔ اور اس کا منہ کھول کر سب ہڈیاں مصلّے پر گرا دو۔ شیخ نجیب الدینؒ جلد خریطہ اٹھا لائے لیکن جب اس کا منہ کھولا تو ایک بھی ہڈی نہ دیکھی۔

شیخ نظام الدینؒ اولیا لکھتے ہیں ایک دن میں شیخ فرید الدینؒ گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بال محاسن مبارک سے جدا ہوا میں نے فی الفور اسے اٹھا کر عرض کی اگر حکم ہو تو میں اس کا تعویذ بنا رکھوں۔ فرمایا خوب ہے پس میں نے وہ بال کاغذ میں لپیٹ کر بحفاظت تمام اپنی دستار میں رکھا اور جب میں اجودھن سے دہلی میں آیا تو جو بیمار کہ میرے پاس آتا تھا اس کو وہ تعویذ اس شرط سے دیتا تھا کہ بعد حصول صحت یہ تعویذ واپس کر دے۔ غرضکہ وہ تعویذ میں نے جس شخص کو دیا اس نے فضل خدا سے صحت پائی۔ یہاں تک کہ تمام شہر میں اس کی شہرت ہوگئی۔ میں اس تعویذ کو ایک مخصوص طاق میں رکھتا تھا۔ ایک روز میرے ایک دوست جن کا نام تاج الدین مینائی تھا آئے اور مجھ سے اظہار کیا کہ میرا فرزند بیمار ہے۔ میں نے حجرے میں جا کر اس تعویذ کو اس طاق میں اور دوسرے طاقوں میں بھی ہر چند ڈھونڈا نہ پایا، وہ دوست محزون و مغموم واپس چلا گیا۔ اور اس کا فرزند جانبر نہ ہوا، دو دن کے بعد ایک اور بیمار آیا میں نے

حجرے میں جاکر جو دیکھا وہ تعویذ اسی طاق میں موجود تھا میں نے اس کو دیا اور اس نے شفا پائی۔ چونکہ تاج الدین مینائی کا بیٹا مرنے والا تھا اُس وقت وہ تعویذ نہ ملا۔

منقول ہے کہ شمس الدین نام ایک شاعر ساکن قصبہ سنام اجودھن میں آیا اور وہ نسخہ کہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے علم سلوک میں لکھا تھا۔ اس کے پڑھنے میں مشغول ہوا چند روز کے بعد اُس نے ایک طویل قصیدہ شیخ کی مدح میں کہا اور اجازت ملے کر اس کے تمام اشعار آغاز سے انجام تک ایستادہ ہو کر پڑھے شیخ نے فرمایا بیٹھ اور پھر پڑھا اس نے بیٹھ کر پھر پڑھا اور شیخ ہر بیت کی مدح کرتے تھے۔ بعد فراغ اس سے پوچھا کہ تیرا مدعا کیا ہے؟ شمس الدینؒ نے کہا کہ میری والدہ نہایت پیر ہے اور ناداری اور عسرت کی وجہ سے اس کی پرورش سے عاجز ہوں، امیدوار ہوں کہ شیخ کی توجہ سے میری عسرت مبدل بفراغت ہو۔ شیخ نے فرمایا جا شکرانہ لا، چونکہ شیخ کا شکرانہ طلب کرنا دلیل حصول مقصود تھا۔ شمس الدین خوش خوش اُٹھ کر پچاس جیتل نقد لایا۔ شیخ نے ان کو درویشوں پر تقسیم کر کے فاتحہ پڑھا اور اس برکت سے شمس الدین انہی دنوں شمس الدین التمش کے بیٹے کا وزیر ہوا اور دستگاہ عظیم بہم پہنچائی۔

منقول ہے کہ ایک فاضل مولانا حمید نامی طغرل کی ملازمت میں رہتے تھے جو بادشاہ غیاث الدین بلبن کی طرف سے بنگالہ کا حاکم تھا۔ ایک روز مولانا دست بستہ ادب سے ایستادہ تھے، ناگاہ ایک صورت لطیف اور نورانی انہیں دکھائی دی۔ اس نے کہا کہ اے حمید! تو اہل علم سے ہے اس جاہل کے در پر کیوں

کھڑا ہے! پھر دوسرے دن بھی مولانا طغرل کے روبرو اسی نہج سے ایستادہ تھے کہ وہ صورت پھر ظاہر ہوئی اور وہی کلام کیا۔ مولانا سمجھے کہ یہ کشش شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ہے۔ بیتاب ہو کر اجودھن کا راستہ لیا اور حبیب شیخ کی خدمت سے مشرف ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اسے حمید تو نے دیکھا کہ میں تجھ کو کس صورت سے یہاں لایا! مولانا نے جب یہ کلام سنا اسی وقت علائق دنیوی ترک کر کے تجرد اختیار کی اور سعادت ارادت سے مشرف ہوئے اور ایک مدت وعظ و ارشاد میں مشغول رہے۔ آخرش مکہ مکرمہ کی طرف رخصت ہوئے۔

منقول ہے کہ اوچ اور ملتان کی طرف ایک پادشاہ پاک اعتقاد تھا اس نے ایک بار ملا عارف کو جو اُس کی خدمت میں رہتے تھے اور دہلی آنے کا ارادہ رکھتے تھے مبلغ دو سو تنگہ سفید سپرد کیے اور یہ بات کہی کہ تم قصبہ اجودھن میں میں جاکر یہ روپیہ شیخ فریدؒ کی خدمت میں پیش کرنا اور میرے واسطے التماس دعا کرنا جب مولانا قصبہ اجودھن میں پہنچے اُن کے دل میں یہ خیال گذرا کہ خط و کتابت درمیان نہیں جو مبلغ کی تعداد کا یقین ہو۔ بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ شیخ کی نذر کیجیے اور باقی اپنے پاس رکھ چھوڑیے۔ آخرش وہی کیا۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا اسے مولانا عارف تو نے اس درویش کے ساتھ حقِ برادری ادا کیا یعنی نقد شکرانہ نصفا نصف کر لیا۔ مولانا عارف یہ کلام سُن کر شرمندہ اور محجوب ہوئے اور یہ فرمایا کہ ملایانِ مفلوک کی ہمت، اہلِ سلوک کی ہمت کے برابر نہیں اور سو روپیہ بھی حاضر کیے۔ شیخ نے فرمایا روپیہ تجھے مبارک ہو تا کہ کسی بھائی کو

نقصان نہ پہنچے۔ غرضکہ جب مولانا نے یہ حال مشاہدہ کیا تو شرفِ ارادت سے مشرف ہوئے اور نقد وجنس سے جو کچھ رکھتے تھے درویشوں کو دے کر عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے اور تھوڑے عرصے میں خرقہ خلافت پایا اور حسب ارشاد سیستان کی طرف روانہ ہوئے اور خلائق کی ہدایت وارشاد میں مشغول ہو گئے۔

منقول ہے کہ ایک وقت شیخ دوپہر کو خانقاہ سے برآمد ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاؒ مولانا بدرالدینؒ اسحٰق اور مولانا جمال الدین ہانسویؒ حاضر تھے سلطان المشائخؒ ایک دیوار کے سائے میں کھڑے تھے اس وقت ایک شخص ملّا یوسف جو آپ کے قدیم مریدوں میں سے تھے آئے اور گستاخانہ زبان پر لائے کہ چند مدت سے میں خدمت اور ملازمت کرتا ہوں ابھی تک اُسی مرتبہ پر ہوں۔ اور جو لوگ میرے بعد آئے وہ حضرت کی فیض بخشی سے خرقہ خلافت پہن کر مراتب علیہ پر فائض ہو گئے ہیں۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا اسے درویش ہر شخص بقدر قابلیت حالتِ خود ایک نعمت پاتا ہے اس میں ہماری کچھ تقصیر نہیں ہے یہ کلام تمام نہ ہوا تھا کہ ایک لڑکا چار برس کا آیا اور شیخ کے قریب ایستادہ ہوا۔ شیخ کے برابر ایک انبار خشت پختہ کا تھا جو عمارت کے واسطے لائے تھے۔ شیخ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ اس انبار میں سے ایک اینٹ پختہ لا کہ اس پر بیٹھوں لڑکا دوڑ کر ایک ثابت اینٹ اٹھا لایا۔ شیخ اس پر بیٹھے۔ پھر فرمایا جا ایک اینٹ مولانا نظام الدینؒ کے واسطے لا۔ وہ جا کر ایک ثابت اینٹ اُن کے واسطے اٹھا لایا۔ اسی طرح وہ لڑکا شیخ کے حکم کے موافق ایک ایک ثابت اینٹ مولانا جمال الدینؒ ہانسوی اور مولانا بدرالدینؒ اسحٰق کے واسطے بھی اٹھا لایا۔

جب ملا یوسف کی باری آئی تو وہ لڑکا اُس انبار سے بمشقت تمام ایک نصف اینٹ بلکہ اُس سے بھی کمتر تلاش کر کے لایا اور ملا یوسف کے سامنے رکھ دی۔ یہ ماجرا دیکھ کر تمام بزرگوار متحیر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا اے یوسف میں کیا کر دوں نصیب تیرا اوروں کے برابر نہیں ہے۔ غرضکہ قسمتِ ازلی پر خورسند ہونا چاہیئے۔

شیخ نظام الدینؒ اولیا سے منقول ہے کہ شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کو مرض الموت واقع ہوا اور آخر شب اسی زحمت کے ساتھ رحمتِ حق میں داخل ہوئے اور اس مرض میں مجھے خرقۂ خاص سے سرفراز فرما کر ماہِ شوال ۶۶۹ھ میں دہلی کی طرف روانہ کیا اور رخصت کے وقت آبدیدہ ہوئے اور فرمایا جا تجھے حق تعالیٰ کے سپرد کیا۔ مجھے بھی اس جدائی سے ایک درد والم ایسا لاحق ہوا جیسا پہلے کبھی جدا ہونے میں نہ ہوا تھا۔ شیخ نظام الدینؒ اولیا فرماتے ہیں جب میں دہلی میں پہنچا میں نے سنا کہ شیخ کے مرض نے شدت کی۔ چنانچہ ایک رات وہ بعد نماز عشا بے ہوش ہوئے اور کچھ دیر بعد ہوش میں آ کر مولانا بدرالدینؒ اسحٰقؒ سے پوچھا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھی؟ کہا ہاں۔ اس جناب نے نماز عشا پھر احتیاطاً ادا کی اور پھر بے ہوش ہوئے جب ہوش میں آئے فرمایا ایک بار اور ازراہِ احتیاط کے نمازِ عشا ادا کر دوں، کیا معلوم پھر میسر ہو نہ ہو۔ چنانچہ اس شب کو آپ نے تین مرتبہ نمازِ عشا ادا کی اور فرمایا، مولانا نظام الدینؒ دہلی میں ہے میں بھی خواجہ قطب الدینؒ کی رحلت کے وقت ہانسی میں تھا اور مولانا بدرالدینؒ اسحٰقؒ کے کان میں آہستہ سے فرمایا میرے انتقال کے بعد وہ جامہ کہ خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی سے مجھے پہنچا ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہے اسے مولانا

نظام الدینؒ کے پاس پہنچا تا ، پھر پانی طلب کرکے وضو کیا اور دوگانہ ادا کرکے سر سجدہ میں رکھا اور عین سجدے میں رحلت فرمائی۔ غرضکہ یہ واقعہ پنجشنبہ کی رات اور ماہ محرم کی پانچویں تاریخ ۶۶۴ھ میں واقع ہوا، سن شریف اِس خیاب کا پچانوے برس کا نشان دیتے ہیں۔

منقول ہے کہ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے وصیت کے موافق وہ جامہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے پاس پہنچایا اور شیخ کا کاسہ و عصا اُن کے فرزند کے پاس رہا اور افواہاً یہ سنا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ اولیا شیخ کی خبر وفات سن کر قصبہ اجودھن گئے اور شیخ کے مزار کی زیارت کرکے جامہ مذکور مولانا بدرالدینؒ اسحٰق سے لے کر دہلی کی سمت مراجعت فرمائی۔

کتاب تذکرۃ الاتقیا میں لکھا ہے کہ تین شخص نظام نام شیخ کی خدمت میں تھے ایک شیخ نظام فرزند شیخ کے۔ دوسرے شیخ نظام خواہر زادۂ شیخ تیسرے شیخ نظام الدینؒ اولیاء۔ چونکہ شیخ کے فرزند ابدال کا مقام رکھتے تھے اس لیئے سجادہ انہیں نہ دیا اور جب آپ کی ہمشیرہ نے بہت سعی کی کہ سجادہ نشینی میرے فرزند کو عطا ہو تو شیخ نے اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے فرمان لکھا اور بھانجے کو دے کر یہ فرمایا کہ ہانسی میں مولانا جمال الدینؒ ہانسوی کے پاس جاکر اسے صحیح کرکے لاؤ، مولانا جمال الدینؒ ہانسوی نے اس فرمان کو صحیح نہ کیا اور اُس نے پلٹ کر شکایت کی۔ آخر کو شیخ نے اپنی ہمشیرہ کے حسب التماس دوسرا فرمان لکھ کر بھیجا اور اس مرتبہ مولانا جمال الدین ہانسوی نے ناراض ہو کر اسے چاک کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں جمال الدینؒ ہانسوی کا پارہ

کیا ہوا فرمان نہیں سی سکتا۔ پھر ایک مدت بعد شیخ نے فرمان سجادہ نشینی ولایت دہلی شیخ نظام الدین اولیاء کو دے کر مولانا جمال الدین ہانسوی کے پاس بھیجا، وہ اسے دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور اس فرمان میں یہ بیت درج کی ؎

ہزاراں درود و ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردی بہ گوہر شناس

اور کتبہ کو صحیح کر کے دہلی روانہ کیا۔
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ؞

سلطان الاولیاء

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ

شہنشاہِ اورنگِ عرفانِ حق
دلش صدرِ دیوانِ ایوانِ حق
ملک بُردہ دریوزہ از شانِ اُو
فلک کاسہ سبز درخوانِ اُو
قدم راندزان گونہ درراہِ فقر
کہ شُد شاہِ اورنگ درگاہِ فقر
بباطن زتکوینِ اطوار محو
بظاہر زتمکینِ نگہدار سہو
دلش ساکنِ ملکِ ذاتِ صفات
زہے پاک دین و زہے نیک ذات

نظام الحق آں شیخ عالی مقام
کزو کار ارباب دین شد تمام

شیخ نظام الدینؒ اولیاء جامع علوم ظاہری و باطنی تھے اور آپ کا دل انوار منزل ہمیشہ کتب معتبرہ تصوف کی طرف مثل خصوص الحکم اور مواقع النجوم اور ان کی شرحوں کے مطالعہ کی طرف مائل تھا اور فقہ ابو حنیفہ میں اور تفسیر و حدیث و اصول کلام میں استحضار تمام رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار احمد بن دانیال غزنین سے ہندوستان کی طرف آکر شہر بدایون میں متوطن ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء اس شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں متولد ہوئے جب پانچ برس کے ہوئے تو ان کے والد نے قضا کی اور ان کی والدہ ان کی پرورش میں مشغول ہوئیں جب حضرت سن تمیز اور رشد کو پہنچے تحصیل علوم ظاہری اور باطنی میں مشغول ہوئے، جب بدایوں میں کوئی مدرس نہ رہا تو وہ شباب پچیس برس کے سن میں اپنی والدہ کو لے کر دہلی میں آئے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی اس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر اور سرآمد علمائے وقت تھے ان کا اسم مبارک خواجہ شمس الدین خوارزمی۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن نے انہیں آخر میں بخطاب شمس الملک مخاطب کر کے منصب وزارت تفویض فرمایا جیسا کہ تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں کہا ہے ؎

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی
فرماندۂ ممالک ہندوستاں شدی

وزیر ہونے سے پہلے شمس الملک درس میں مشغول رہتے تھے۔ پس شیخ ان سے مل کر ان کے شاگردوں کی سلک میں منسلک ہوئے وہ ایک حجرہ رکھتے تھے۔ جو خاص کر مطالعہ کے واسطے تھا اور تین شاگرد جو صاحب استعداد تھے وہ اس حجرہ میں سبق پڑھتے تھے اور باقی شاگرد اس کے باہر درس کرتے تھے۔ ان تین شخصوں میں ایک ملا قطب الدینؒ ناقلہ اور دوسرے ملا برہان الدینؒ عبدالباقی اور تیسرے شیخ نظام الدینؒ اولیا تھے۔ جب انہوں نے شیخؒ کی مولویت اور تیزی فہم پر آگاہی پائی تو آپ کی تعظیم میں اوروں سے زیادہ تر اہتمام کرتے تھے مولانا شمس الدینؒ کو یہ عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد غیر حاضر ہوتا تو جس وقت وہ آتا مولانا از راہِ دل لگی اس سے فرماتے تھے میں نے کیا کیا تھا جو تو حاضر نہ ہوا تاکہ پھر ایسا کام کروں جو تو حاضر ہوا کرے اور کبھی اگر شیخ کی تعطیل ہوتی تھی تو مولانا جب انہیں دیکھتے تھے یہ بیت پڑھتے تھے۔

باری کم ازانکہ گاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

شیخ نظام الدینؒ اولیا چونکہ بحسبِ اتفاق شیخ نجیب الدین متوکل برادر شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کے ہمسایہ تھے اور وہ بہت علمائے دہلی پر علم میں فوقیت رکھتے تھے۔ لہٰذا شیخ نظام الدینؒ اولیا اکثر اوقات اُن کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔

قضارا چونکہ ان دنوں شیخ نظامؒ الدین اولیاءؒ کی والدہ فوت ہو گئی

تھئیں اور شیخ تہنا رہ گئے تھے۔ شیخ نجیب الدین متوکل سے زیادہ تر ہم صحبت رہتے تھے اور غم تنہائی رفع کرتے تھے یہاں تک کہ محبت فیما بین روز بروز بڑھتی گئی اور آپس میں نہایت اتحاد ہوا۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء چند سال خواجہ شمس الدین سے درس لے کر مراتب عالیہ پر فائز ہوگئے اور معاش کے لئے عہدۂ قضا کی فکر میں ہوئے۔

ایک دن اثنائے کلام میں شیخ نجیب الدینؒ سے کہا کہ آپ میرے لئے فاتحہ خیر پڑھیں کہ میں کسی مقام کا قاضی بن جاؤں اور خلق خدا کو انصاف سے راضی رکھوں' یہ سن کر شیخ نجیب الدینؒ ساکت ہوئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو گمان ہوا کہ شیخ نجیب الدینؒ نے نہیں سنا پھر بہ آواز بلند کہا التماس فاتحہ کی رکھتا ہوں کہ میں کسی مقام کا قاضی ہو جاؤں' اس مرتبہ شیخ نجیب الدینؒ متوکل نے فرمایا کہ خدا نہ کرے کہ تو قاضی ہو لیکن وہ ہو جو میں جانتا ہوں۔ انہی دنوں شیخ نظام الدینؒ ایک رات مسجد جامع دہلی میں تھے صبح کے وقت سنا کہ مؤذن نے منارہ پر یہ پڑھا الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ الخ یہ سنتے ہی حضرت کا حال متغیر ہوا اور نور الٰہی نے آپ کو گھیر لیا اور اس سبب سے کہ اس وقت چونکہ شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر کی مشیخت اور کرامات کا آوازہ عالمگیر ہوا تھا اور شیخ نجیب الدینؒ متوکل کی بھی مجلس میں غائبانہ شیخ کی مشیخت اور کرامات کے اوصاف سن کر شیخ نظام الدینؒ اولیاء ان کی زیارت کے نہایت مشتاق تھے صبح کو بغیر سواری اور زاد راہ کے قصبہ اجودھن

کی سمت روانہ ہوئے اور پنجشنبہ کو ظہر کی نماز کے وقت آنحضرت کے شرف ملاقات سے فائز ہوئے۔

منقول ہے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج کی ملازمت سے مشرف ہوئے۔ ہر چند چاہا کہ اپنے اشتیاق و اخلاص کا حال بیان کریں۔ اُن پر دہشت غالب ہوئی کہ شرح اشتیاق کچھ عرض نہ کر سکے ...
شیخ فریدالدین مسعود نے یہ حالت مشاہدہ کر کے فرمایا لکل دخیل دھشۃ مرحبا خوش آیا اور صفا لایا تو انشاء اللہ نعمت دینی و دنیوی سے برخوردار ہو گا۔
شیخ نظام الدین اولیاء نے حضرت شیخ سے خرقۂ درویشی پایا اور مریدان خاص کی سلک میں منتظم ہوئے۔ اس عرصہ میں شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج نہایت عسرت میں مبتلا تھے۔ اکثر آپ کے متعلقین اور فرزند کو ہر ہفتہ میں ایک یا دو بار فاقہ سے گذارتے تھے۔ اور اس بزرگوار کی صحبت سے کوئی شخص آزردہ اور دلگیر نہ تھا۔ الغرض مولانا بدرالدین اسحٰق بخاری کہ جامع معقول و منقول تھے۔ باورچی خانہ کے واسطے جنگل سے لکڑیاں لاتے تھے اور مولانا شیخ جمال الدین ہانسوی صحرا سے ڈیلہ جو کریر کے درخت کا پھل ہے اور اکثر آدمی اس پھل کو سرکہ اور نمک میں ڈال کر اچار بناتے ہیں، لاتے تھے اور مولانا حسام الدین کابلی آب پاشی اور باورچی خانہ کی دیگیں دھوتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء از روئے صدق و صفا کھانا پکاتے تھے اور باحتیاط تمام کھانا پکا کر ظروف گلی اور کچکول چوبین میں نکال کر افطار کے وقت شیخ کی مجلس میں لے جاتے تھے لیکن کبھی نمک ہوتا تھا اور کبھی نہ ہوتا تھا اور دو دو تین تین روز نمک میسر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء جب اس خدمت پر

مامور ہوئے۔ اس بقال سے جو اس مسجد کے قریب رہتا تھا۔ کبھی غیب سے جو کچھ
کھانے کا مصالحہ خرید کرتے تھے اور کبھی ایک دم نمک قرض سے کر لے ہوئے ڈیلوں کے پیالے
ڈال دیتے تھے اور ہر روز شیخ کے روبرو اور درویشوں کے سامنے حاضر
تھے اور مولانا شیخ جمال الدینؒ ہانسوی اور مولانا بدر الدینؒ اسحق اور شیخ نظام الدین
اولیارؒ شیخ کے حکم کے موافق ایک کاسہ میں تناول کرتے تھے اور شیخ کے
قریب بیٹھتے تھے۔

ایک دن جب تمام حضارِ مجلس اپنے اپنے مقام میں بیٹھ گئے۔ شیخ
فریدالدینؒ مسعود گنج شکر دستِ مبارک کاسہ کی طرف سے گئے اور لقمہ اٹھا کر
فرمایا کہ یہ لقمہ میرے ہاتھ میں گراں معلوم ہوتا ہے اس لقمہ کو منہ میں رکھنے
حکم نہیں ہے۔ شاید کہ اس کھانے میں شبہ ہو۔ یہ کہہ کر لقمہ کاسہ میں ڈال دیا
شیخ نظام الدینؒ اولیار فرماتے ہیں کہ یہ کلام سنتے ہی میرا بدن کانپنے لگا
میں نے فوراً ایستادہ ہو کر نہایت ادب سے یہ عرض کی کہ یا حضرت لکڑیاں
اندر کریر کے پھل اور پانی شیخ جمال الدینؒ اور مولانا حسام الدینؒ اور مولانا
بدر الدینؒ لاتے ہیں۔ سبب شبہ کا معلوم نہیں ہوتا ہے۔ شاید حضرت پر واضح
ہوا ہوگا؟ شیخ نے فرمایا کہ نمک جو اس کاسہ میں پڑا ہے وہ کہاں سے آیا
ہے؟ شیخ نظام الدینؒ یہ سن کر متنبہ ہوئے اور سر زمین پر رکھ کر صورتِ حال
عرض کی۔ شیخ نے ارشاد کیا فقرار اگر فاقہ سے جائیں بہتر ہے لیکن لذتِ
نفس کے واسطے قرض نہ لیں۔ کیونکہ قرض اور توکل کے مابین بُعد المشرقین
ہے۔ اگر ادا نہ ہوا تو اس کا دبال قیامت تک گردن پر رہے گا۔ پھر فرمایا کہ یہ

کاسے درویشوں کے آگے سے اٹھا کر محتاجوں پر تقسیم کریں۔

شیخ نظام الدینؒ اولیا فرماتے ہیں کہ مجھ میں ایک عادت تھی کہ جیسا طلبہ کا دستور ہے کہ اگر کسی شے کی بہت ضرورت ہوتی ہے تو قرض لیتے ہیں، میں بھی قرض لیتا تھا لیکن اس دن سے میں نے استغفار کر کے یہ نیت کی کہ ہر چند احتیاج ہو، آئندہ ہرگز قرض نہ لوں گا۔ شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر نے وہ کمبل کہ جس پر اجلاس فرماتے تھے مجھے بخشا اور یہ دعا کی کہ تو کبھی قرض کا محتاج نہ ہوگا اور جب شیخ نظام الدینؒ اولیا ایک مدت کے بعد خدمت گذاری سے مرتبۂ کمال کو پہونچے تو پیر نے انہیں اوروں کی تکمیل کی اجازت دے کر دہلی کی سمت رخصت کیا انہوں نے رخصت کے وقت اپنے پیر کی یہ نصیحت یاد رکھی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ دشمنوں کو جس طرح ہو سکے راضی اور خوش رکھنا اور جس شخص سے قرض لینا اس کے ادا کرنے میں نہایت سعی کرنا۔

شیخ نظام الدینؒ اولیا جب مسافر ہوئے تو مع ایک درویش کے ایک مقام میں پہنچے کہ فی الجملہ وہاں ایک جنگل تھا اور راہزن اس مقام میں مسافروں کو لوٹتے تھے۔ ناگاہ اس مقام میں پانی برسنے لگا۔ شیخ ایک لحظہ درخت چھتنار کے سایہ میں ایستادہ ہوئے۔ ناگاہ پانچ چھ ہندو مع شمشیر و تیر کمان کے نمودار ہو کر شیخ کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ کمبل اور جامہ جو شیخ نے مجھے عطا فرمایا ہے اگر خدانخواستہ اس پر نظر بد لگی میں آبادی میں ہرگز نہ جاؤں گا اور کسی کو اپنا منہ نہ دکھاؤں گا۔ اسی اندیشہ میں تھے کہ راہزنوں نے ایکبارگی حضرت کی طرف سے منہ موڑا اور دوسری جانب دار ہوئے

اور شیخ مع الخیر والعافیت دہلی میں داخل ہوئے۔ دوسرے دن شیخ نجیب الدینؒ متوکل سے ملاقات کرکے اس سفر کا ماجرا اور شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی ملازمت کا تذکرہ شرح وبسط سے بیان کیا اور اس کے بعد ایک شخص کے مکان پر کہ اس سے ایک کتاب عاریتاً لے کر گم کی تھی تشریف لے گئے اور اس سے یہ کہا کہ اے مخدوم اس روز کہ میں تم سے کتاب عاریتاً لے گیا تھا وہ میرے پاس سے گم ہو گئی ہے۔ نیت صادق رکھتا ہوں کہ کاغذ بہم پہنچا کر وہ نسخہ نقل کرکے آپ کے پاس حاضر کر دوں گا۔ اس شخص نے جب یہ کلام سنا ایک لحظہ شیخ نظام الدینؒ اولیاء کو نظر غور سے دیکھ کر فرمایا کہ جس مقام سے آپ تشریف لائے ہیں اس کا ثمرہ خدا کی خوشنودی کے سوا نہیں ہے میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی۔

پھر شیخ وہاں سے ایک بزاز کے پاس گئے اور فرمایا کہ میں نے تجھ سے کپڑا خرید کیا تھا اب اس کی قیمت لایا ہوں۔ بزاز نے دس روپیہ لئے اور باقی حضرت کو معاف کئے کہتے ہیں کہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاء کو دہلی میں ایسا مقام تخلیہ میسر نہ تھا کہ اس میں بیٹھ کر ذکر حق میں مشغول ہوں۔ اس شہر میں شیخ کو کثرت خلق اور انبوہ پسند نہ آیا تھا کہ ساکن ہوں ۔ چونکہ ان دنوں قرآن شریف حفظ کرتے تھے اکثر اوقات شہر سے باہر جا کر صحرا میں بسر کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے قتلغ خاں کے تالاب کے کنارے ایک درویش پاک کیش کو کہ آثار صلاح وتقویٰ اُن کے ناصیۂ حال سے ہویدا تھے۔ دیکھا، ان سے پوچھا کہ اے مخدوم آپ اِس شہر میں رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں پھر پوچھا

کہ آپ اس شہر میں خواہشِ طبع سے رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہیں کوئی درویش ایسے شہر آباد میں کہ جس میں اس قدر کثرت اور انبوہ آدمیوں کا ہے اپنی طبیعت کی خواہش سے نہ رہے گا مگر بضرورت۔ یہ حکایت نقل کی کہ میں نے ایک وقت کمال درویش کے خطیرہ کے دروازہ کے باہر ایک خرقہ پوش کو دیکھا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ اگر تو سلامتیٔ ایمان اور استقامتِ عبادت چاہتا ہے تو اس شہر میں نہ رہ کہ یہ فسق و فجور کا منبع ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ اے مولانا نظام الدین اولیاؒ میں بھی چاہتا ہوں کہ اس شہر میں نہ رہوں اور کسی طرف راہی ہوں لیکن کیا کروں کہ عرصہ بیس سال کا گذرا ہے کہ میں اس شہر میں سکونت پذیر ہوں اور بسبب اس کنوئیں کے کہ میں نے تیار کیا ہے مجالِ سفر نہیں پاتا۔ پانی کی قید لوہے کی قید سے شدید تر واقع ہوئی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے جب اس درویش سے یہ بات سنی عزم جزم کیا کہ اس شہر میں نہ رہوں گا اور اس مقام سے برآمد ہو کر رانی بوستانی کے تالاب کے نزدیک کہ جسے باغ خسرو تہہ کہتے ہیں داخل ہوئے اور تجدید وضو کر کے دوگانہ ادا کیا۔ اس وقت خوشی میں درگاہ الٰہی میں مناجات کی اے خدا میں اس شہر سے برآمد ہوا ہوں لیکن اپنے اختیار سے کسی مقام میں نہیں جا سکتا جس مقام میں خیریت اور سلامتی دین کی ہو مجھے وہاں رکھ۔ ناگاہ ایک طرف سے آواز آئی کہ تیری جگہ غیاث پور ہے اور غیاث پور ایک موضع تھا گمنام کہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور وہاں کا حاکم علم زر در رکھتا تھا اور اس ملک میں ایک قسم کی روئی زرد ہوتی ہے کہ اس سے لباس تیار کرتے ہیں۔ حاکم کو شیخ فرید گنج شکرؒ سے نہایت الفت تھی لیکن شیخ

نظام الدینؒ اس کے مرتبے کے بعد دہلی میں وارد ہوئے تھے لہٰذا ان کو نہ دیکھا تھا۔
منقول ہے کہ ایک وقت شیخ نے اجودھن سے مولانا شعیب کے ہاتھ
مندسیاہ کا ایک مصلا اور ایک کلاہ شیخ نظام الدینؒ اولیا کے لئے دہلی بھیجی تھی۔
مولانا شعیب جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امانت پہونچائی شیخ نظام الدینؒ
اولیا دوگانہ شکر کا ادا کر کے محظوظ ہوئے اس وقت ایک رئیس نے گجرات سے
دو لاکھ پچاس ہزار اشرفی بھیجی تھیں۔ شیخ نے وہ تمام زرِ نقد مولانا شعیب کو
عطا فرمایا اور معذرت کر کے یہ رباعی لکھ کر شیخ فریدؒ گنج شکر کی خدمت میں ارسال
کی ہے

زانرو کہ بندۂ تو دانند مرا
بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت عنایتے فرمودہ است
ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

کہتے ہیں کہ جب دوسری مرتبہ شیخ نظام الدینؒ اولیا رقصبہ اجودھن میں
شیخ کی زیارت سے مشرف ہوئے شیخ نے فرمایا مولانا نظام الدینؒ وہ رباعی
جو تم نے عریضہ میں لکھی تھی میں نے اُسے یاد کر لیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ
جہاں تم رہو گے صاحبِ نظر تمہیں اپنے مردمِ دیدہ میں جگہ دیں گے۔
نقل ہے کہ شیخ نظام الدینؒ اولیا نے ابتدائے حال میں غیاث پور
میں سکونت فرمائی اور دو شخص آپ کی ملازمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک شیخ
برہان الدینؒ محمد غریب جو دولت آباد دکن میں مدفون ہیں اور دوسرے شیخ

کمال الدینؒ یعقوب جن کا مزار پٹن گجرات میں واقع ہے۔ یہ دونوں بزرگوار اور خلفائے سے پیشتر خرقہ خلافت پاکر تحصیل کمال اور ریاضت نفس میں شغل رکھتے تھے۔ اور اس عرصہ میں وجہ معاش ان پر نہایت تنگ تھی۔ بعض وقت ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ چار چار روز تک کچھ نہ بہم پہنچتا کہ سلطان الاولیاء اور دیگر درویش اس سے افطار فرماتے۔ ایک عورت صالحہ جو شیخ سے توسل رکھتی تھی اور ہمسایہ میں رہتی تھی اور سوت کات کر گندم خریدتی تھی اور نان بے نمک پکا کر اس سے افطار کرتی تھی چنانچہ ان ایّام فاقہ میں اس نیک بخت نے ڈیڑھ سیر آٹا کہ اس کی قوت سے فاضل تھا شیخ کے واسطے بھیجا۔ شیخ نے کمال الدینؒ یعقوب سے فرمایا اس آٹے کو دیگ میں ڈال کر پکاؤ شاید کسی آنے والے کا حصہ ہو۔ شیخ کمال الدینؒ یعقوب اس کے پکانے میں مشغول تھے کہ ناگاہ ایک درویش ژندہ پوش کسی مقام سے وارد ہوئے اور شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے مخاطب ہو کر بآوازِ بلند فرمایا کہ اے شیخ جو کچھ ما حضر رکھتا ہے ہم سے دریغ نہ کر۔ شیخ نے جواب دیا کہ آپ ازراہِ شفقت ایک لحظہ استراحت فرمائیں کہ دیگ جوش میں ہے۔ درویش نے فرمایا تو خود اٹھ اور دیگ کو چولھے پر سے بجنسہٖ اٹھا لا۔ شیخ یہ سنتے ہی بہ تعجیل تمام اٹھے اور دستِ حق پرست پر آستین چڑھا کر دونوں ہاتھ سے دیگ کے گلے کا کنارہ پکڑ کر ان کے روبرو لائے اور جوش کی آواز آدمیوں کے کان میں پہونچتی تھی۔ درویش نے وہ دیگ اٹھا کر زمین پر ایسے ماری کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ شیخ فریدالدینؒ گنج شکر

نے نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء کو ارزانی کی ہے۔ میں نے انکی ظاہری محتاجی کی دیگ کو توڑ ڈالا۔ یہ کہا اور وہ درویش آدمیوں کی نظر سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ان کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پاکر درجہ عالی اور مقام متعالی میں داخل ہوئے۔ بعدازاں شیخ برہان الدین محمد غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب اور شیخ نصیر الدین اودھی شرف ارادت اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور اہل شریعت شیخ کو نور عقل اور علم و فضل کے باعث گنج معانی کہتے تھے۔

شیخ اخی سراج جو شیخ نور کے دادا تھے اور بنگالہ میں مدفون ہیں وہ بھی شیخ کے مریدوں میں سے ہیں۔

خیر المجالس میں مرقوم ہے کہ ایک دن مولانا حسام الدین نصرت خانی اور مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین کاشانی شیخ کے روبرو بیٹھے تھے۔ شیخ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی شخص دن کو صائم اور شب کو قائم رہے تو یہ کام نہایت سہل ہے کہ بیوہ عورتیں بھی اس کام میں اقدام کر سکتی ہیں لیکن مشغولی بحق کہ مردان طلب گار اس کے سبب درگاہِ پروردگار میں راہ پاتے ہیں اور قرب پیدا کرتے ہیں اور مشاہدہ کی دولت سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ ان عبادات کے ماوراء ہے حضارِ مجلس نے جب یہ کلام سُنا تو امیدوار ہوئے کہ شیخ اسے بیان فرمائیں کہ وہ کونسی عبادت ہے۔ شیخ نے انہیں مضطرب اور مصر دیکھ کر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اور کسی

وقت اس کا مذکور ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ عزیزوں نے چھ مہینے اسی انتظار میں گذارے۔

ایک دن سب شیخ کی مجلس میں حاضر تھے تو محمد کاشف جو بادشاہ علاؤالدین خلجی کے دیوانِ عام کا داروغہ تھا وارد ہوا اور سر زمین پر رکھ کر مؤدب بیٹھا۔ شیخ نے پوچھا کہ کہاں تھے؟ اس نے عرض کی کہ دیوانِ عام میں تھا۔ آج ظلِ سبحانی نے پچاس ہزار روپیہ بندگانِ خدا کے واسطے انعام فرمائے ہیں۔ شیخ نے اس وقت مولانا حسام الدینؒ نصرت خانی اور دوسرے یاروں سے متوجہ ہوکر فرمایا انعام بادشاہ کا بہتر ہے یا وفا کرنا اس عہد کا کہ جو تمہارے ساتھ کیا گیا تھا؟ یہ سن کر سب شرائط تعظیم بجالائے اور عرض کی کہ وفائے عہد کا ہشت بہشت سے بہتر ہے۔ پچاس ہزار روپیہ نقرہ کیا مال ہے۔ پھر سلطان الاولیاء نے تینوں بزرگوں کو اپنے پاس بلایا اور لوگوں کو رخصت کرکے یہ فرمایا کہ مقصود کے پہنچنے کا راستہ خلوت میں مشغولیٔ حق ہے باستغراق تمام اور بے ضرورت باہر نہ آئے اور ہمیشہ باوضو رہے سوائے وقت قیلولہ کے کہ اس وقت غلبہ خواب ہوتا ہے اور صائم الدہر رہے باخلاص تمام اور اگر یہ میسر نہ ہو تقلیلِ غذا پر قناعت کرے اور ہمیشہ سوائے ذکر حق کے سکوت میں رہے مگر بضرورت اہلِ دنیا سے کلام مختصر کرے اور علی الدوام ذکر بارابطہ واستغراق دل عمل میں لائے۔ منقول ہے کہ تینوں مشائخ شیخ نظام الدینؒ اولیا کے انفاس کی برکت سے ان صفات کے ساتھ کامل ہوکر جملہ واصلین سے ہوئے۔

مولانا شہاب الدینؒ امام سے نقل ہے کہ ایک دن شیخ نظام الدینؒ اولیا

خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی کے مزار کی زیارت کو دہلی کہنہ میں تشریف
گئے ہیں اور مولانا برہان الدینؒ محمد غریب اس جناب کی رکاب میں
شیخ حضرت خواجہ کی زیارت کر کے اور مشائخوں کی زیارت کے واسطے
شمسی کے کنارے رونق افروز ہوئے اور اس مقام میں خواجہ حسن دہلوی
سجزی کہ سن اس کا پچاس برس سے زیادہ تھا اور ابتدائے حال میں
سے رابطہ اتحاد اور مصاحبت کلی رکھتا تھا۔ یاروں کے ساتھ مے نوشی
تھا، جب شیخ کو دیکھا آپ کے روبرو آکر یہ دو بیت پڑھیں۔

سالہا باشد کہ باہم صحبتیم
گر ز صحبتہا اثر بودی کجاست
زہد تان فسق از دلِ ما کم نہ کرد
فسق ما یاں بہتر از زہد شماست

شیخ نے جب یہ بات سنی فرمایا صحبتوں کی تاثیر ہے انشاء اللہ
دن سچے نصیب ہو گی فی الفور حضرت کی دعا مستجاب ہوئی۔ خواجہ حسن
کر کے آپ کے قدم مبارک پر گر پڑے اور تمام مناہی سے تائب ہو کر
ذوالفقار کے جو اس کے ہم مشرب تھے مرید ہوئے۔ خواجہ حسن نے کتاب فوائد الفواد
مشتمل بر احوال شیخ نظام الدینؒ اولیاء اور حکایات جو کہ آپ کی زبانِ مبارک
پر جاری ہوئیں تصنیف فرمائی اور یہ کتاب شرفِ تحسین سے سرفراز ہوئی اور
امیر خسروؒ نے اس نسخہ پر رشک کر کے کہا کہ کاش تشریف قبول و تحسین اس نسخہ کی
تصنیف کا میری نسبت منسوب ہوتا اور میری تمام تصانیف خواجہ حسن کے

ہوتیں اور کہتے ہیں کہ خواجہ حسن نے بعد از توبہ ایک غزل کہی جس میں یہ بیت درج ہے ؎

اے حسن توبہ آنگہی کردے
کہ ترا قوتِ گناہ نماند

جس وقت کہ محمد تغلق شاہ شہرِ دہلی کو خراب کر کے لوگوں کو دولت آباد دکن کی طرف لے جا رہا تھا خواجہ حسن بھی بزرگانِ دکن کی زیارت و صحبت کی نیت سے ہمراہ گئے اور اس ملک میں جا کر عالمِ باقی کی سمت سفری ہوئے اور بالاگھاٹ دولت آباد میں مدفون ہوئے۔

شیخ نصیر الدینؒ محمود اودھی سے نقل ہے کہ جب شیخ نظام الدینؒ اولیا کو راگ کی سماعت کی رغبت ہوتی تھی امیر خسرو اور امیر حسن قوال کہ علمِ موسیقی میں عدیم المثال تھے حاضر ہوتے تھے اور مبشر جو شیخ کا زرخرید غلام تھا اور خوش آوازی میں صوتِ داؤدی رکھتا تھا وہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ پہلے امیر خسروؒ غزلیں اور بیتیں ایسی متصوفانہ پڑھتے تھے کہ شیخ سرِ مبارک کو جنبش دیتے تھے اور اس رات امیر حسن قوال اور مبشر غلام ایسا سماں باندھتے تھے کہ شیخ وجد میں آجاتے تھے؛ اور دو سو قوال کہ راگ میں مرغ کو ہوا سے زمین پر لاتے تھے۔ شیخ کے علاقہ خوار تھے اور ان سب کا سردار امیر حسن قوال تھا جب اپنے کام میں مشغول ہوتا تھا طرفہ مجلس منعقد ہوتی تھی اور وہ بیت کہ جس سے شیخ سلطانؒ اولیا کو وجد و حال آتا تھا لکھ کر سلطان الاولیاء کے ملاحظہ میں گذرانتا تھا اور سلطان الاولیا بھی اس بیت سے محظوظ ہوتے تھے۔ ایک روز سلطان اولیاءؒ کو حکیم سنائی کے ان دو

اشعار پر کہ حدیقہ میں مندرج ہیں وجد حاصل ہوا ہے

پیش ما جمال جان افروز
در نمودی برو سپند بسوز
ای جمالِ تو چیست ہستی ما تو
وان سپندِ تو چیست مستی تو

قرابیگ ترک جو بادشاہ علاؤالدین خلجی کا اخص الخواص تھا۔ باوجود
صلاح و پرہیزگاری کے ظرافت میں بھی امتیاز رکھتا تھا اور شیخ کے سلک
مریدوں میں بھی منتظم تھا، ان ابیات کو قلمبند کر کے بادشاہ کے روبرو لے گیا
بادشاہ اشعار پڑھتا تھا اور آنکھوں پر ملتا تھا اور تحسین کرتا تھا اس وقت قرابیگ
ترک عرض پیرا ہوا کہ باوجود اس کے ظلِ سبحانی شیخ سے ایسا اعتقاد رکھتے ہیں
تعجب ہے کہ کبھی آنحضرت سے ملاقات نہیں کرتے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے
قرابیگ ہم بادشاہ ہیں۔ سراپا دنیا میں آلودہ اور اس آلودگی سے شرماتا ہوں،
کہ ایسے پاک کی زیارت کروں۔ تجھے لازم ہے کہ خضر خاں اور شادی خاں کو جو
میرے جگر گوشہ ہیں شیخ کی خدمت میں لے جا کر مرید کرا اور دو لاکھ روپیہ جماعت
خانہ کے درویشوں کو شکرانہ بھیجا۔ قرابیگ ترک نے حکم کے موافق عمل کیا اور یہ
عمارت عالی جو ان بزرگوار کے مقبرہ میں واقع ہے خضر خان کی ساختہ و پرداختہ
ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز بادشاہ علاؤالدین خلجی نے ایک مندیل زر وجواہر
سے پر کر کے برسم نذر شیخ کے روبرو بھیجی۔ ایک قلندر شیخ کے برابر بیٹھا تھا وہ

سے اس کی نگاہ اس پر پڑی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا ایہا الشیخ
ہدایا مشترک شیخ نے از روئے ظرافت فرمایا۔ اما تنہا خوشترک ۔ قلندر نے
مایوس ہو کر بازگشت کی عزیمت کی۔ شیخ نے اپنے پاس بلا کر فرمایا تنہا خوشترک
سے ہمارا مقصود تھا کہ تجھے تنہا مبارک ہو، یہ کہہ کر وہ تمام نقد و جواہر اس کو
بخشا۔ اس قلندر نے چاہا کہ اس کو اٹھاوٴں اس کی قوت نے وفا نہ کی۔ چنانچہ
شیخ کے خادم نے اس کی مدد کی۔

نقل ہے کہ جب بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ تخت سلطنت دہلی
پر متمکن ہوا تو اس نے خضر خاں کو جو شیخ کا مرید تھا قتل کیا اور شیخ کے بھی درپے
عداوت ہوا۔ ان دنوں شیخ کے مطبخ کا مقررہ خرچ سوائے غلہ کے دو ہزار تنکہ
کا تھا اور انعام و اکرام اور علوفہ متعلقان اور خرچ مسافران و نجاوران اس سے
الگ تھا۔ اس صورت میں بادشاہ نے ایک روز قاضی محمد غزنوی سے کہ محرم خاص
تھا پوچھا کہ اس قدر خرچ شیخ کا کہاں سے آتا ہے؟ قاضی کہ وہ بھی اس
قدر اعتقاد آنحضرت سے نہ رکھتا تھا بولا اکثر امرائے سلطانی زر پیشکرانہ اور نذرانہ
سے شیخ کی اعانت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ امر پسند نہ آیا حکم کیا کہ جو شخص شیخ
کے مکان پر جائے گا یا ان کی مدد خرچ کو روپیہ یا اشرفی بھیجے گا وہ نہایت
معتوب اور مقہور ہو گا اور اس بارہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا۔ پھر لوگوں نے
غضب شاہی کے خوف سے ہاتھ کھینچا اور شیخ کا غلام اقبال کہ تحویل اس کے
پاس رہتی تھی۔ متحیر ہوا اس لئے کہ اس سے قبل نذر و نیاز کا روپیہ ہمیشہ آتا
تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک تاجر کہ جسے رہزنوں نے لوٹا تھا شیخ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور سفارش نامہ صدر الدین عارف پسر شیخ بہاؤالدین ذکریا کا اس کے پاس موجود تھا ملاحظہ میں گذار کر عرض حال کیا۔ شیخ نے خادم سے فرمایا کہ علی الصباح سے چاشت تک جو فتوح یعنی زرِ نذرانہ آئے۔ اس عزیز کے سپرد کرو۔ منقول ہے کہ بارہ ہزار تنکہ اس تاجر کو وصول ہوئے۔ القصہ شیخ نے بادشاہ کے حکم سے مطلع ہو کر اقبالِ غلام سے فرمایا کہ آج سے خرچ مقرری مضاعف کر اور جس وقت تجھے روپیہ کی حاجت ہو بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ اپنا اس حجرے کے طاق میں ڈال کر جس قدر درکار ہو نکال لینا۔ چنانچہ اقبال حسب الحکم عمل میں لاتا تھا۔ جب یہ خبر منتشر ہو کر رفتہ رفتہ بادشاہ کو پہونچی۔ نہایت شرمندہ اور نادم ہوا لیکن پھر بھی ازراہ جہالت و خجالت شیخ کو یہ پیغام بھیجا کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان سے میری ملاقات کو آتے تھے اگر آپ بھی کبھی کبھی قدم رنجہ فرمادیں تو مراحم ذاتی سے بعید نہ ہوگا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں مردِ گوشہ نشین ہوں کہیں نہیں جاتا اور علاوہ اس کے رسم و عادت ہر سلسلہ کی ہر طور پر ہوتی ہے ہمارے بزرگوں کا قاعدہ نہ تھا کہ کچہری دربار میں جائیں اور بادشاہ کے مصاحب ہوں لہٰذا اس امر میں فقیر کو معاف رکھیں اور اس مسکین کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ بادشاہ نے کہ بادۂ نخوت سے مخمور تھا اس عذر کو قبول نہ کیا اور اس کے جواب میں لکھا کہ آپ کو ہفتہ میں دو بار میری ملاقات کو آنا پڑے گا۔ شیخ نے ناچار ہو کر خواجہ حسن شاعر کو شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس کہ پیر بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے اور مرید شیخ شہاب الدین سہروردی کے تھے بھیجا کہ بادشاہ کو سمجھائیں کہ فقیروں کا آزردہ کرنا کسی مذہب اور ملت میں درست نہیں

ہے اور حیرت بیت دارین اس قوم کی آزادی میں ہے۔ اور اس کے علاوہ ہر خانوادہ کی ایک روش مخصوص ہے' خواجہ حسن شیخ ضیاءالدین رومی کے مکان سے پلٹ کر خبر لائے کہ ان کا درد شکم کی شدت سے حال اس قدر خراب ہے کہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتے' شیخ ساکت ہو گئے اور جب دو تین روز میں شیخ ضیاءالدین رحمت حق میں واصل ہوئے تو بادشاہ اور تمام اعیان دارکان وہاں حاضر ہوئے اور رسم ہندوستان کے موافق اوّل قرآن شریف کے سپارہ تقسیم کر کے پڑھے اس کے بعد پنج آیت پڑھ کر پھول اٹھائے۔ سلطان الاولیاءؒ بھی بقصد زیارت وہاں تشریف لے گئے انہوں نے بادشاہ کو سلام کیا۔ لیکن بادشاہ نے جواب نہ دیا اور مطلق التفات نہ کی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب شیخ اس مجلس میں رونق افزا ہوئے جس شخص نے حضرت کو دیکھا تعظیم کے واسطے دوڑا اور حضرت سے عرض کی کہ بادشاہ بھی اس مجلس میں تشریف رکھتے ہیں اگر آپ سلام کریں ہم بادشاہ کو اعلام کریں۔ شیخ نے فرمایا کہ سلام کی حاجت نہیں کیونکہ وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہے اسے مشوش نہ کرنا چاہیئے اور جب حضار مجلس بہجوم لا کر شیخ کے قدم پر گرے بادشاہ گوشہ چشم سے دیکھ کر دل میں آزردہ ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ نے محضر نامہ تیار کر کے یہ حکم دیا کہ اگر ہر ہفتہ میں شیخ ایک بار میری ملاقات کو نہ آئے تو ہر سلخ یعنی ہر چاند رات کو البتہ آکر مجھے دیکھے نہیں تو اس کی فکر کی جائے۔ سید قطب الدینؒ غزنوی اور شیخ وحید الدین قندزیؒ اور مولانا برہان الدینؒ ہردی اور دیگر اکابر نے بادشاہ کے حکم کے موافق ماہ شوال کی اٹھائیسویں تاریخ کو غیاث پور میں جا کر شیخ

سے ملاقات کی اور بادشاہ نے جو کچھ حکم دیا تھا شیخ کے گوش گذار کیا اور یہ بات
کہی کہ بادشاہ جوان عاقبت نااندیش ہے اور حضرت فضل خدا سے پیر دانش
کیش ہیں اگر مہینے میں ایک مرتبہ دیوان عام سلطانی میں تشریف لے جائیں امور
درویشی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ شیخ نے تامل کر کے فرمایا۔ انشاء اللہ دیکھتا ہوں
کہ اس کا انجام کیا ظہور میں آتا ہے! وہ سمجھے کہ حضرت سلطان الاولیاء بادشاہ
کے پاس جانے پر راضی ہوئے۔ بادشاہ سے جا کر عرض کی کہ ہم نے شیخ کو راضی
کر لیا ہے وہ ہر چاند رات کو آپ کی ملاقات کو آئیں گے اور رات کو خواجہ
وحید الدینؒ قندزی اور اعز الدین علی شاہؒ جو امیر خسروؒ کے بڑے بھائی تھے
انہوں نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ بادشاہ آپ کے قدم رنجہ فرمانے کی
بشارت سے نہایت محظوظ ہوا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں ہرگز اپنے بزرگوں
کے خلاف نہ کروں گا کہ بادشاہ کی ملاقات کو جاؤں۔ یہ سن کر دونوں بزرگوار غمگین
ہوئے اور یہ التماس کی کہ چاند رات قریب ہے اور بادشاہ پرخاش پر آمادہ
ہے حضرت کو مناسب ہے کہ حضرت شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر کی طرف
توجہ فرمائیں تو یہ معاملہ دشوار آسانی سے گذرے۔ شیخ نے کہا مجھے شرم آتی ہے
کہ اس امر حقیر کے واسطے شیخ کی طرف متوجہ ہوں دین کے کام اور بہت ہیں
شیخ کی طرف ان کے واسطے توجہ کرنی چاہئے اور علاوہ اس کے تم یقین جانو
کہ بادشاہ مجھ پر ظفریاب نہ ہوگا کس لئے کہ شب کو میں نے خواب دیکھا ہے
کہ صفہ پر قبلہ رو بیٹھا ہوں اور ایک بیل شاخدار نے مجھ پر قصد کیا ہے جب
نزدیک پہونچا میں نے اس کے دونوں سینگ پکڑ کے اسے ایسا زمین پر دے

ارادہ کہ وہ فوراً ہلاک ہوا۔ خواجہ حمید الدینؒ قلندری و عزیز الدین علی شاہؒ نے عجیب واقعہ سنا سمجھے کہ اسی سبب
کچھ آسیب نہ پہنچے گا۔ بلکہ بادشاہ کو ضرر جانی پہنچے گا۔ القصہ چاندرات کو خواجہ اقبال نے بعد نماز
شیخ سے عرض کی آج روز سلخ ہے حکم ہو کر گھوڑا کسا جاوے اور حضرت کی سواری کی عیدگاہ کو۔ شیخ نے کچھ جواب نہ دیا

خواجہ اقبال خاموش ہو رہا جب پہر رات باقی رہا پھر عرض کی سواری کا وقت یہی ہے اگر حکم ہو پالکی
اور کہاروں کو حاضر کروں۔ اس مرتبہ بھی شیخ نے کچھ جواب نہ دیا خواجہ اقبال کو
پھر عرض کی مجال نہ رہی خاموش ہوا۔ اور حکم خدا سے اسی شب کو بعد ایک پہر
اور چند ساعت کے خسرو خان جو کہ پروردہ اور شاہ کا محرم راز تھا بلکہ بادشاہ
نے اسے خاک ذلت سے اٹھا کر مرتبہ عالی پر فائز کیا تھا جیسا کہ مقام مناسب
میں مذکور ہوا اس نے اپنے ہاتھ سے بادشاہ کو قتل کیا۔

منقول ہے کہ شیخ شرف الدینؒ جو شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر کے
پوتے تھے شیخ بدر الدینؒ سمرقندی کے عرس میں حاضر تھے ایک شخص نے ان
سے یہ کلام کیا کہ شیخ نظام الدینؒ اولیا بحسب باطن فارغ البال رکھتے ہیں کہ
اہل و عیال کی طرف سے ان کو کچھ فکر و غم نہیں کیونکہ ان کو اس قدر فراغت دنیوی
حاصل ہے کہ ایک عالم ان کے خوان مائدہ فیض اور احسان سے بہرہ یاب ہے
کسی قسم کا انہیں رنج نہیں پہنچتا ہے بے فکری سے گذرتی ہے اس کے بعد
جب شیخ شرف الدین وہاں سے شیخ کے مکان پر آئے تو چاہا کہ وہ تذکرہ عرض
کریں۔ شیخ نے نور باطن سے دریافت کر کے فرمایا بابا شرف الدین جو درد دکھ
دم بدم مجھے پہنچتا ہے مجھے یقین ہے کہ دوسرے کو نہ ہو گا وہ یہ کہ جس وقت
کوئی شخص میرے پاس آ کر اپنا درد دل اظہار کرتا ہے اس وقت مجھے اس

قدر غم والم لاحق ہوتا ہے کہ زبان اس کی شرح سے عاجز ہے عجیب سنگ
دل ہے وہ کہ جس میں برادر دینی کا غم اثر نہ کرے اور اس کو بحکم ظلمناعیین کو
خطرہ عظیم بھی جاننا چاہیئے۔ ہاں نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔

نقل ہے کہ دہلی میں ایک بزاز تھا شمس الدین نام نہایت متمول
وہ شیخ سے اعتقاد نہ رکھتا تھا بلکہ حضرت کی غیبت میں بے ادبانہ کلام کر
تھا۔ ایک روز اس نے موضع افغان پور کے قریب ایک مقام سبزہ زار
فرحت افزا دیکھا اپنے ہمراہیوں کو لے کر وہاں بیٹھا اور مے نوشی پر آمادہ
ہوا اور اس مابین میں وہ چشم ظاہری سے کیا دیکھتا ہے کہ شیخ نظام الدین
اولیا اس کے مقابل الیستادہ ہیں اور اشارہ سے ممانعت کرتے ہیں فوراً
نے شراب پانی میں پھینک دی اور وضو کر کے شیخ کی خانقاہ کی طرف روانہ
ہوا۔ جونہی شیخ کی نگاہ اس پر پڑی فرمایا کہ جس شخص کو سعادت مساعدت کر
ہے ایسے گناہوں سے باز آتا ہے شمس الدینؒ یہ کلام سن کر متنبہ اور متحیر ہوا
اور اس وقت صدقِ دل اور اخلاص تمام سے حضرت کے مریدوں میں منسلک
ہوا اور دوسرے دن اپنا تمام مال و منال شیخ کے جماعت خانہ کے درویشوں
پر تقسیم کیا اور علائق دنیا سے سبکبار و مجرد ہو کر عرصۂ قلیل میں جملہ اولیاء اللہ
ہوا۔

خیر المجالس میں جو شیخ نصیر الدینؒ اودھی کی تصنیف ہے مروی ہے
کہ میں ایک وقت شیخ سے رخصت لے کر اودھ کی طرف جاتا تھا شمس الدین بزاز
کو میں نے قصبہ پٹیالی میں دیکھا کہ ایک گدڑی پارہ پارہ اس کے زیبِ بدن

ہے اور ایک جریب ہاتھ میں اور ظروفِ گلی کہ جس کا گلا رسی سے بندھا ہوا تھا ہاتھ میں لٹکائے ہیں اور خطہ بہار کی سمت عازم ہیں، شاید بہار میں انکی لوڑھی ماں تھیں جب میں نے انہیں اس حال میں دیکھا۔ پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ الحمد للہ شیخ نظام الدینؒ اولیا کی برکت سے ابوابِ سعادت مفتوح ہیں اور دل ہوا و ہوس سے خالی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک چھاگل چرمی ہے اسے قبول فرمائیں تو نہایت احسان ہے فرمایا کہ میں اس جناب کی عنایت سے اکثر نماز کے واسطے مسجد میں اترتا ہوں کوئی شخص اس لکڑی اور ظروفِ گلی پر نظر نہیں کرتا ہے، شاید اس چھاگل چرمی کی کوئی طمع کرے، یہ فرما کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جدا ہوئے۔

نیز نصیر الدین اودھیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں قاضی محی الدین کاشانی کے پاس علوم ظاہری پڑھتا تھا ناگاہ ایسا بیمار ہوا کہ لوگوں نے میری زلیست سے قطع نظر کی۔ قضارا شیخ نظام الدینؒ اولیا میری عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس وقت میں نہایت بے ہوش تھا جب آنحضرت نے دستِ مبارک میرے منہ پر پھیرا فوراً ہوش میں آیا اور صحت پائی اور ان کے قدم پر گر پڑا۔ اس دن سے میرا اعتقاد اور اخلاص آنحضرت کی نسبت زیادہ تر ہوا۔

شیخ موصوف یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرید نے حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی دعوت کی اور قوالوں کو بلایا اور بقدر مقدرت طعام بھی مہیا کیا جب راگ شروع ہوا تو کئی ہزار آدمی جمع ہوئے اور کھانا اس قدر نہ تھا کہ پچاس یا ساٹھ آدمی کو کفایت کرے۔ صاحب دعوت قلتِ طعام اور کثرتِ انام مشاہدہ کر کے

مضطرب ہوا۔ شیخ نور باطن سے سمجھ گئے اور اپنے خادم مبشرؒ کو اشارہ کیا
آدمیوں کے ہاتھ دھلا اور دس دس آدمی کھا بیٹھا اور بسم اللہ کہہ کر ایک رو
کے چار چار ٹکڑے کر کے مع سالن کے لوگوں کے سامنے رکھ۔ حسب مبشرؒ
ایسا کیا۔ کہتے ہیں کہ تمام خلق حسب رغبت کھانا کھا کر سیر ہوئی اور بہت کچھ
بچ رہا۔

نقل ہے کہ شیخ نظام الدینؒ اولیا بارہ برس کے سن میں مولانا علاؤ الدین
اصولی سے کہ ان کے مناقب کتاب فوائد الفواد میں مسطور ہیں۔ کتاب قدوری
پڑھتے تھے۔ مولانا اصولی جلال الدینؒ تبریزی سے خرقہ رکھتے تھے لیکن
اواخر حال میں ایک روز شیخ نظام الدینؒ اولیا کی نظر راستہ میں مولانا علاؤ الدین
اصولی پر پڑی کہ کسی طرف جاتے تھے فوراً طلب کر کے اپنا خلعت خاص
انہیں پہنایا اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ مولانا اسی دم شیخ نظام الدین
اولیاءؒ کے مرید ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں واصلان حق سے ہوئے۔ انہی
دنوں شیخ شرف الدینؒ احمد سبزواری اور ان کے بڑے بھائی شیخ جلال الدین
بقصد ارادت وہاں کی طرف آئے تھے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید
ہوا چاہتے تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم خانوادہ فردوسیان کے حصے ہو، آخر
دونوں بھائی آپ کے اشارہ کے بموجب وہاں جا کر شیخ نجم الدین فردوسیؒ
کے مرید ہوئے اور شیخ شرف الدینؒ احمد سبزواری خرقہ خلافت پاکر ولایت
بہار میں گئے اور وہاں استقامت کر کے کتاب مکاتیب اور معدن المعانی تصنیف
فرمائی۔

شیخ نصیر الدین سے منقول ہے کہ قصبہ سرسادہ میں ایک دانشمند تھے ان کے مکان میں آگ لگی اور فرمان املاک جل گیا۔ انہوں نے دہلی میں آکر ایک مدت مدید کچہری میں تگ و دو کر کے دوسرا فرمان، فرمان سابق کے موافق حاصل کیا اور اُسے بغل میں رکھ کر بہ بشاشت تمام اپنی فرودگاہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک دوست سے دوچار ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہوئے کہ فرمان اُن کی بغل سے گر پڑا اور مطلق اس کا خیال نہ رہا۔ جب مکان پر آئے اور فرمان نہ دیکھا تو جہاں ان کی نظر میں تیرہ و تاریک ہوا۔ اسی قلق و اضطراب میں سلطان الاولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا۔ شیخ سے ان کا اندوہ ملال دیکھا نہ گیا فرمایا کہ مولانا نذر کرو کہ جب تیرا فرمان مل جائے شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی روح پرفتوح کے واسطے حلوہ نذر کر کے حاضر کرے گا مولانا نے نذر بدل و جان قبول کی اور بعد ایک لحظہ کے شیخ نے فرمایا مولانا تو ابھی حلوہ خرید کر کے حاضر کرے تو خوب ہے مولانا فوراً اُٹھ کر حلوائی کی دوکان پر گئے اور اُس سے چند درم کا حلوہ طلب کیا۔ حلوائی نے حلوہ تول کر ایک کاغذ نکالا تاکہ اسے چاک کر کے حلوہ اس میں لپیٹے۔ مولانا نے اسے پہچانا کہ یہ تو ان کا فرمان ہے حلوائی سے کڑک کر فرمایا کہ اسے چاک نہ کر کہ یہ میری املاک کا فرمان ہے۔ پھر اسے مع حلوہ کے لیکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین پر سر رکھ کر مرید ہو گئے۔ اہل ارادت نے اس کرامت سے متحیر ہو کر اعتقاد کی تازگی اور شادابی حاصل کی نفحات میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کاغذ کے گم ہونے کا اظہار کیا اور

التماس دعا کرکے اضطرار ظاہر کیا تو شیخ نے اُسے ایک درم دیا کہ اس کا حلوہ خرید کر کے شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی روح پُرفتوح پر فاتحہ پڑھ کر درویشوں کو تقسیم کر۔ جب اس شخص نے وہ درم حلوائی کو دیا اور اس سے حلوہ کاغذ میں لپیٹ کر لیا تو جب غور سے دیکھا وہی کاغذ تھا جو گم ہو گیا تھا۔ اِس سے زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ ایک شخص نے سو دینار کسی شخص کے پاس امانت رکھے تھے اور اس سے امانت نامہ لکھوا لیا تھا لیکن جب اس کے مطالبہ کا وقت آیا سند نہ پائی۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس دعا کی شیخ نے فرمایا میں پیر ہوں اور شیرینی کو دوست رکھتا ہوں اور ایک رطل حلوہ میرے واسطے مول لے آ تاکہ دعا کروں۔ اس مرد نے حلوہ خرید کیا اور کاغذ میں لپیٹ کر شیخ کے پاس لایا۔ شیخ نے ارشاد کیا کاغذ کو کھول۔ جب اس نے کھولا وہی امانت نامہ تھا، پھر فرمایا سند لے اور حلوہ لے جا آپ کھا اور اپنے لڑکوں کو دے وہ دونوں چیزیں لے کر حضرت سے رخصت ہوا۔

نقل ہے کہ اخی سراج پروانہ، شیخ نور کے دادا جو بنگالہ میں دفون ہیں محض ناخواندہ تھے۔ جب دہلی میں آکر شیخ کے مرید ہوئے، شیخ نے ملّا فخرالدینؒ زرادی سے کہا یہ جوان بہت قابل ہے کاش تھوڑا علم ظاہری رکھتا تو خوب ہوتا۔ مولانا فخرالدین زرادیؒ نے یہ سُن کر زمین پر سر رکھا اور عرض کی اگر حضرت کی توجہ ہو بندہ اس جوان کو چند روز میں مسائل لابدی تعلیم کرے۔ شیخ نے فرمایا مبارک ہے۔ مولانا انہیں اپنے مکان پر لے جا کر تعلیم میں مشغول

ہوئے چنانچہ شیخ کی برکت انفاس کے سبب عرصۂ قلیل میں دانشمند ہوئے۔ اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوکر بنگالہ تشریف لے گئے۔

سید وحید الدین کرمانی مبارکؒ کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مریدوں سے ہیں اور سید خسروؒ کے نام سے مشہور ہیں اور کتاب سیر الاولیا اُن کی تصنیف ہے ان سے منقول ہے جب خسرو خاں بعد قتل بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا تو اُس نے دو لاکھ یا تین لاکھ تنکہ ہر ایک مشائخ کے لئے بھیجے سوائے ان تین مشائخ کے یعنی سید علاؤ الدین جیوری اور شیخ وحید الدین خلیفہ شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر اور شیخ عثمانؒ سیاح خلیفہ رکن الدین ابو شیخ سب نے قبول کیا۔ لیکن اکثر بزرگواروں نے وہ روپیہ امانت نگاہ رکھا ایک حبہ اس میں سے صرف نہ کیا اور شیخ نظام الدینؒ اولیاؒ خسرو خاں کے پانچ لاکھ تنکہ کو صرف فقرا میں لائے اور چار ماہ کے بعد جب غازی ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خان کو تہ تیغ کر کے دہلی کا بادشاہ ہوا اور استقلال بہم پہونچا کر اس امر کے درپے ہوا کہ خسرو خان نے جو روپیہ مشائخ کو دیا تھا باز یافت کرے، تو اکثر مشائخ نے بلا تامل ادا کیا اور شیخ نظام الدین اولیاؒ نے جو روپیہ صرف کیا تھا کچھ جواب نہ دیا۔ بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ نے شیخ سے سوء مزاجی بہم پہنچائی اور ایک جماعت کہ شیخ سے عداوت اور حسد رکھتی تھی اور راگ کی منکر تھی اس نے فرصت پاکر بادشاہ سے معروض کیا کہ یہ شیخ مع جمیع مریدوں کے راگ کے سوا کوئی کام نہیں رکھتا ہے اور سرود جو مذہب حنفی میں حرام ہے سنتا ہے۔ بادشاہ کو واجب ہے کہ علماء کو طلب

کر کے ایک محضر بنائے اور اسے اس فعل نامشروع سے ممانعت کرے۔ بادشاہ غیاث الدین نے قلعہ تغلق آباد میں کہ اس کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ شیخ اور جمیع علماء کو اس قلعہ میں طلب کیا چنانچہ تریپن دانشمند کہ ہر ایک اپنے تئیں سرآمد روزگار جانتا تھا اور یہ تمام عالم راگ اور سرود کے مسئلہ میں شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے خصومت اور نزاع رکھتے تھے بحث کے واسطے حاضر ہوئے مولانا فخر الدین زرادی کہ شیخ کے مریدوں میں سے تھے۔ اور اجتہاد کا دم مارتے تھے انہوں نے بادشاہ سے یہ بات کہی کہ دو آدمیوں کو جو سب سے زیادہ عالم ہوں انتخاب کیجئے تو وہ ہم سے بحث کریں الغرض شاہ نے قاضی رکن الدین ابوالحسنؒ کو کہ شہر کا حاکم اور شیخ کی عداوت میں فخر و مباہات کرتا تھا بحث کے واسطے اشارہ کیا قاضی نے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے درویش تم سرود اور سماع کے بارہ میں کیا دلیل رکھتے ہو؟ شیخ حدیث نبویؐ "السماع مباح لاہلہ" کو اپنی بریت کی دلیل لائے۔ قاضی نے جواب دیا تم مرد مقلد ہو تمہیں حدیث سے کیا کام ہے کوئی روایت ابو حنیفہؒ سے لاؤ تو ہم اسے قبول کریں۔ شیخ نے کہا سبحان اللہ میں حدیث مصطفویؐ نقل کرتا ہوں اور تم مجھ سے روایت ابو حنیفہؒ طلب کرتے ہو شاید حکومت کی رعونت تمہارے دماغ میں ہے کہ تم خدا کے دوستوں سے بے ادبی کرتے ہو انشاء اللہ تعالیٰ جلد اس عہدہ سے معزول ہو گے۔ بادشاہ نے جب حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنی متفکر ہو کر کچھ نہ کہا۔ یہ گفتگو میں تھے کہ اتنے میں مولانا علم الدین نبیرہ شیخ بہاؤالدینؒ زکریا ملتان سے آئے اور گرد راہ سے دیوان عام

میں تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے مع حضارِ مجلس کے ان کے استقبال کے لیئے قیام کیا۔ مولانا علم الدین نے پہلے شیخ نظام الدینؒ اولیا سے متوجہ ہو کر ملاقات کی اور با عزاز و احترام پیش آئے، اس کے بعد بادشاہ سے پوچھا کہ آپ نے شیخ کو کس واسطے تکلیف دی ہے کہ وہ جناب یہاں تشریف لائے ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ حلّت و حرمتِ سماع کے بارہ میں علمار کا محضر ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ آپ بھی تشریف لے آئے۔ مولانا علم الدین نے کہ علامہ زمان تھے کہا کہ میں نے سفر مکّہ و مدینہ و مصر و شام کیا ہے۔ تمام شہروں میں مشائخ باوجود علمائے متبحر و پرہیزگار ہونے کے سماع سنتے ہیں اور کوئی شخص انہیں مانع نہیں ہوتا ہے۔ واللہ بلا شک و شبہ مباح ہے اور حضرت شیخ نظام الدینؒ اولیار اور ان کے اصحاب تمام اہلِ حال ہیں اور ان کا ظاہر و باطن کمال اخلاق اور زہد اور تقویٰ سے آراستہ پیراستہ ہے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع سنا ہے اور وجد فرمایا ہے۔ جب مولانا نے یہ کہا بادشاہ اٹھا اور شیخ نظام الدینؒ اولیار کو باعزاز و اکرام تمام رخصت کیا اور بادشاہ از بسکہ شرمندہ ہوا۔ اسی دن قاضی رکن الدین ابو الحجؒ کو عہدہ حکومت سے معزول کیا۔

منقول ہے کہ جب شیخ نظام الدینؒ اولیار کا سن مبارک پچانوے برس کو پہنچا وہ جناب سات مہینے مرض جیس بول و غائط میں مبتلا رہے۔ ایک روز اقبال کو طلب کر کے فرمایا اسباب اور زرِ نقد سے جو کچھ میری ملک میں ہے حاضر کر تا کہ لوگوں پر تقسیم کر دوں۔ اس نے جواب دیا کہ زرِ نقد سے تو کچھ ایک جبّہ

میری تحویل میں نہیں ہے ہر روز کی آمدنی اسی دن صرف ہوتی ہے لیکن کئی ہزار من غلہ انبار خانہ میں موجود ہے جو ہر روز لنگر میں خرچ ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اسے کس لئے نگاہ رکھا ہے جلد اسے نکال اور اسی روز مستحقین کو پہنچا۔ یہ فرما کر بقچہ جامہ طلب کر کے ایک دستار اور ایک پیراہن اور ایک مصلائے خاص مولانا برہان الدینؒ غریب کو عطا کیا اور انہیں دکن کی طرف رخصت فرمایا اور ایک دستار اور ایک کرتہ اور ایک جا نماز شیخ یعقوبؒ کو دے کر گجرات کی سمت روانہ کیا اور اسی طرح مولانا جمال الدینؒ خوارزمی مولانا شمس الدینؒ یحییٰ کو ایک ایک دستار اور پیراہن اور مصلا عنایت فرمایا۔ اور بقچہ میں کوئی شے جامہ سے باقی نہ رکھی، اور ان دنوں چونکہ شیخ نصیر الدینؒ اودھی حاضر نہ تھے انہیں کچھ عنایت نہ ہوا اور اس سبب سے تمام حفاظ حیران رہے۔ لیکن چند روز کے بعد بروز چہار شنبہ ربیع الآخر کی اٹھارھویں تاریخ ۷۲۵ھ میں بعد نماز ظہر سلطان الاولیاءؒ نے نصیر الدینؒ اودھی کو طلب کر کے خرقہ اور عصا اور مصلا اور تسبیح اور کاسہ چوبیں یعنی کچکول وغیرہ کچھ شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر سے اس جناب کو پہنچا تھا انہیں سب عنایت فرمایا اور حکم ہوا کہ تم دہلی میں رہ کر لوگوں کی قضا و جفا اٹھاؤ، پھر بعد نماز عصر کہ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا سلطان الاولیا جوار رحمتِ حق میں داخل ہوئے اور غیاث پور میں کہ اب وہ نئی دہلی کے محلات سے ہے مدفون ہوئے۔ وہ جناب ہمیشہ مجرد رہے اور عمر پارسائی میں بسر کی۔ مشہور ہے کہ بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ اگرچہ بحسب ظاہر شیخ سے کچھ نہ کہتا تھا اور شیخ کے احوال کا معارض نہ ہوتا تھا لیکن اس قدر

اپنے دل میں رنجش رکھتا تھا کہ اُس نے جس وقت بنگالہ سے مراجعت کی تو شیخ کو پیغام بھیجا کہ میرے آنے تک آپ کو دہلی میں نہ رہنا چاہیئے اور بعد ازین غیاث پور سے نکل جاؤ۔ شیخ نے حالتِ بیماری میں یہ جواب دیا کہ ابھی دہلی دُور ہے۔ پھر آخر کو یہ ہوا کہ وہ دہلی میں نہ پہونچا تھا کہ تغلق آباد کا محل اس پر گرا، اور وہ اس میں دب کر ہلاک ہوا اور خود شیخ نے اس سے چند روز پیشتر رحلت فرمائی تھی اور یہ مثل کہ ابھی دہلی دُور ہے ہند میں مشہور ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کے گھر میں فاقہ تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ سے فرمایا کہ کچھ لاؤ۔ سلطان الاولیاؒ نے اپنی دستار مبارک رہن کر کے تھوڑے لوبیا لیا اور جوش کر کے حاضر کیا۔ شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر نے باتفاق یاراں تناول فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرت کے پیر نے یہ دعا دی کہ کیا خوب اسے پکایا تھا اور نمک موافق اس میں ڈالا تھا۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ایسا کرے کہ تیرے مطبخ میں ہر روز ستر من نمک خرچ ہو۔ اسی وقت شیخ نے دیکھا کہ شیخ نظام الدینؒ اولیاء کی ازار جا بجا سے چاک ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین مسعودؒ گنج شکر نے اپنی ازار گھر سے طلب کی اور آپ کو عطا کی اور فرمایا اسے پہن۔ شیخ نظام الدینؒ اولیا نہایت محظوظ ہوئے اور شیخ کے حضور وہ ازار اپنی ازار پر پہننے لگے ناگاہ ازار بند دستِ مبارک سے چھوٹ گیا۔ ازار گر پڑی شیخ نے فرمایا کہ ازار بند خوب کس کر باندھ۔ شیخ نظام الدینؒ اولیاء نے عرض کی کیونکر باندھوں فرمایا ایسی باندھ کہ سوائے حُورانِ بہشتی کسی کے واسطے نہ کھلے۔ شیخ نظام الدینؒ اولیاء تعظیم بجالائے اور قبول کیا چنانچہ

توفیق ایزدی سے آخر عمر تک عورتوں سے مباشرت نہ کی اور جیسا کہ شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج نے فرمایا تھا ہر روز ستر من نمک آپ کے مطبخ میں خرچ ہوتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک صوفی کو شیخ نظام الدین اولیاء کی مجلس میں حال آیا اور وہ ایک آہ کھینچ کر جل گیا سلطان الاولیاء جب حال سے فارغ ہوئے پوچھا کہ یہ خاکستر کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ فلاں صوفی ایک آہ کر کے جل گیا یہ اسی کی راکھ ہے۔ پھر شیخ نے پانی پر کچھ پڑھ کر اس پر چھڑکا وہ صوفی فوراً زندہ ہوا اور تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ شیخ نے اس سے فرمایا روا نہیں ہے کہ تو سماع کے وقت حاضر ہو اس لئے کہ تو ابھی خام ہے تو ایک آہ سے جل جاتا ہے لیکن صوفیوں کے سر پر بہت ماجرے گذر جاتے ہیں پھر بھی دم نہیں مارتے۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

حضرت شیخ نصیرالدینؒ اودھی المشہور بہ چراغ دہلیؒ

شیخ نصیرالدینؒ اودھی حضرت شیخ نظام الدین اولیار قدس سرہٗ
کے قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور جامع جمیع علوم ظاہری و باطنی
ہوکر اخلاق حسنہ سے موصوف تھے۔ چنانچہ ان کے فضل و دانش کی کثرت
سے شیخ نظام الدینؒ اولیار کے اصحاب انہیں گنجِ معانی کہتے تھے۔ شیخ
نظام الدینؒ اولیار کی وفات کے بعد وہ خیاب دہلی میں سجادہ نشین ہوئے
اور خلائق کی ہدایت وارشاد میں مشغول ہوئے۔ جیسا کہ مخدوم جہانیاں سید
جلالؒ کی داستانِ حیات میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظمہ میں شیخ عبداللہؒ یافعی
کی زبان پر جاری ہوا کہ دہلی کے تمام مشائخ جوارِ رحمتِ حق میں واصل ہوئے
اب شیخ نصیرالدینؒ اودھی کہ چراغ دہلی ہے باقی رہ گیا ہے۔ اس وجہ سے
جناب کا لقب چراغ دہلی ہوا۔ مخدوم جہانیاں مکہ سے مراجعت کرکے دہلی
میں آئے اور شیخ نصیرالدینؒ اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کی صحبت میں تبرکاً خرقہ

سے مخصوص ہوئے۔ اس سبب سے کہتے ہیں کہ ملتان کے مشائخ خانوادہ چشتیہ سے بھی بہرہ رکھتے ہیں اور سید محمد گیسو درازؒ جو شہر حسن آباد گلبرگہ میں مدفون ہیں اور شیخ اخی سراج پروانہ کہ مقبرہ ان کا بنگالہ میں ہے۔ اور شیخ حسام الدینؒ جو نہر والہ گجرات میں آسودہ ہیں آنحضرت کے مریدوں میں ہیں۔

منقول ہے کہ شیخ نصیر الدینؒ اودھی نے خلق کے ازدحام سے تنگ آکر امیر خسروؒ سے کہا کہ آپ شیخ نظام الدینؒ سے میرے واسطے اجازت لیں کہ میں کسی پہاڑ یا بیابان میں جاکر جمع خاطر کے ساتھ ذکر حق میں مشغول ہوں۔ شیخ نے فرمایا ان سے جاکر کہو کہ تمہیں خلق میں رہنا چاہیئے اور اُن کی قفا و جفا کو برداشت کرنا چاہیئے۔

نقل ہے کہ بادشاہ محمد شاہ تغلق خونریزی اور سیاست کے سبب خوب مشہور رہا تھا۔ اس نے درویشوں سے سوء مزاجی بہم پہونچا کر حکم کیا کہ درویش خدمتگاروں کی طرح میری خدمت کریں یعنی کوئی مجھے پان کھلائے کوئی میری دستار باندھے، الغرض بہت سے مشائخ کو ایک ایک خدمت پر مقرر کیا اور شیخ نصیر الدینؒ اودھی چراغ دہلی کو بھی پوشاک پہنانے کی تکلیف دی۔ شیخ نے قبول نہ کی۔ بادشاہ نے طیش میں آکر شیخ کو قفا دے کر قید کیا۔ شیخ کو اپنے پیر نظام الدینؒ اولیاء کا کلام یاد آیا۔ ناچار انھوں نے خدمت قبول کرکے قید سے نجات پائی قضاء الٰہی دونوں بادشاہ کو قضایا نے عجیب پیش آئے اور اسی عرصہ میں فوت ہوا اور بندگان خدا نے رہائی پائی

تذکرۃ الاتقیاء میں مرقوم ہے کہ شیخ نماز عصر کے بعد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی اطاعت و عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور کسی سے بات نہ کرتے تھے اور خادموں کو یہ حکم دیا تھا کہ اس وقت جو شخص میری ملاقات کو آئے اسے ایک تنگہ دے کر رخصت کر دو اگر ایک تنگہ نہ لے تو دو تنگہ سے پچاس تنگہ تک دے کر۔ . . . اسے واپس کر دو اور اگر اس مقدار سے بھی راضی نہ ہو تو اسے میرے پاس بھیجو۔ چنانچہ ایک روز کا مذکور ہے کہ ایک قلندر شیخ کے دیکھنے کو آیا ہر چند خادموں نے چاہا کہ وہ کچھ لے کر رخصت ہو لیکن ان کا سمجھانا مفید نہ ہوا۔ ناچار اسے حجرے میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ قلندر شیطان صفت نے حجرہ میں جا کر سختی و درشتی کے ساتھ شیخ سے کچھ طلب کیا۔ شیخ چونکہ اطاعت میں مشغول تھے انہوں نے دو تین مرتبہ اشارہ کیا کہ بیٹھ جا میں تجھے دوں گا اس نے قبول نہ کیا اور چند زخم چھری کے شیخ کے جسد مبارک پر مارے کہ خون سوراخ آستانہ سے رواں ہو کر باہر نکلا۔ خادم مضطرب ہو کر اندر گئے اور چاہا کہ اسے سزا دیں لیکن شیخ نے ممانعت کی اور ایک تیز رفتار گھوڑا اور پچاس اشرفی اسے مرحمت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ تو گھوڑے پر سوار ہو کر اس شہر سے نکل جا تاکہ تجھے کوئی مزاحمت نہ پہونچائے قلندر اسے لے کر حسب الارشاد کاربند ہوا۔ کچھ مدت کے بعد جب وقت ارتحال پہونچا تو آپ نے وصیت کی کہ سید محمد گیسو دراز مجھے غسل دیں اور اس خرقہ میں جو شیخ نظام الدین اولیاؒ سے ملا ہوا ہے لپیٹ کر مع عصا اور مصلے کے مجھے قبر میں رکھیں۔ الغرض وہ جناب اٹھارویں تاریخ ماہ رمضان المبارک شب جمعہ

۸۲۵ھ میں رحمت ایزدی کے ساتھ واصل ہوئے اور سید محمد گیسو دراز نے حسب وصیت عمل کر کے غسل وکفن دے کر مدفون کیا۔ مدتِ عمر آپ کی بیاسی برس بتاتے ہیں۔

نقل ہے کہ سید محمد گیسو دراز نے جب دیکھا کہ ان کو پیر بے نظیر شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی سے خرقہ اور عصا اور مصلا نہیں پہنچا تو گریاں و بریاں شہر دہلی سے نکل کر دکن کی طرف گئے۔ اس وقت شاہ فیروز شاہ بہمنی دکن میں فرمانروا تھا وہ سید کے آنے سے نہایت خوش ہوا اور انہیں باعزاز تمام احمد آباد بیدر میں پہنچایا اور اس تفصیل سے کہ جو اس کے احوال میں لکھی گئی ہے۔ سید کا مرید ومعتقد ہوا اور ان کی تعظیم وتکریم میں زیادہ تر کوشش کر کے ایک گنبد کہ اب سید اس میں مدفون ہیں تیار کیا۔ اہالی دکن کو ان بزرگوار کی نسبت حد سے زیادہ اعتقاد اور اخلاص تھا۔ سلطان فیروز شاہ نے فرمایا کہ جو قصبے شاہان بہمنیہ نے ان سید کو وقف کئے ہیں شاہانِ عادل شاہیہ ونظام شاہیہ اور قطب شاہیہ ان کے فرزندوں پر حسب دستور بحال رکھیں اور اولاد ان کی فرقوں میں تقسیم ہوئی بعض مذہب امامیہ اور بعضے مذہب حنفی رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب سید گجرات (کاٹھیاواڑ بھارت) کے راستے سے دکن کو روانہ ہوئے تو شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بچراغ دہلی کے بہت سے مریدوں نے ان کی ہمراہی اختیار کی لیکن جب ان کے ہمراہ نہروالہ گجرات میں پہنچے اور خواجہ رکن الدین کمان شکر سے ملاقات کی تو خواجہ نے پوچھا اپنے تئیں کہاں پہونچایا؟ فرمایا میں نے شبلیؒ اور جنیدؒ کا کام کیا ہے لیکن کچھ کشائش

اپنے کام میں نہیں پائی خواجہ نے کہا اس سبب سے کہ ان بزرگوں نے کیسۂ زر پھینکا تھا اور تو نے جمع کیا۔ سید نے متنبہ ہو کر کیسۂ زر کو جو ہمیشہ کمر میں رکھتے تھے اپنے پاس سے دور کیا۔

شیخ نصیرالدینؒ اودھی چراغ دہلی کے ایک مرید شیخ اخیؒ سراج پروانہ ہیں اور وہ اگرچہ شیخ نظام الدینؒ اولیا کی نسبت ارادت صادق رکھتے تھے اور اس جناب سے تربیت پا کر بنگالہ کی طرف رخصت ہوئے تھے لیکن شیخ نظام الدینؒ اولیا، کی وفات کے بعد پھر دہلی میں آئے اور دست ارادت شیخ نصیرالدینؒ اودھی چراغ دہلی کے ہاتھ میں دے کر درجۂ کمال کو پہنچے اور خلافتِ بنگالہ کا خرقہ پایا۔

مشہور ہے کہ جب شیخ نصیرالدینؒ اودھی نے انہیں بنگالہ کی رخصت عطا فرمائی انہوں نے عرض کیا کہ اس مملکت میں شیخ علاؤالدینؒ تل تشریف رکھتے ہیں اور اس طرف کی تمام خلقت اُن سے رجوع ہے۔ میرے وہاں رہنے سے کیا اثر مترتب ہوگا؟ شیخ نے ہندی زبان میں فرمایا تم اوپر وا نے تل یعنی تم بالا اور وہ زیر۔ شیخ اخیؒ سراج پروانہ اپنے کام کی برتری کی بشارت سن کر بنگالہ کی طرف راہی ہوئے مگر جس روز کہ شیخ علاؤالدینؒ تل کی ملاقات کر گئے وہ شیخ کے اس ملک میں آنے سے آزردہ خاطر تھے۔ ان کی تشریف آوری کی خبر سُن کر چارپائی پر چار زانو ہو کر بیٹھے اور جب شیخ تشریف لائے انہیں سلام کیا تو انہوں نے تواضع نہ کی اور اسی طریق سے بیٹھے رہے۔ شیخ اخیؒ سراج پروانہ چارپائی سے اتر کر نیچے بیٹھے رہے اور بشاشت تمام حقائق و معارف

بیان کرنے شروع کئے۔ خدا جانے کہ شیخ علاؤالدین نے کیا مشاہدہ
کہ یکایک چارپائی سے اتر کر نیچے بیٹھے اور شیخ اخی سراج پروانہ کو
تمام چارپائی پر بٹھا کر ان کے مرید ہوئے۔
شیخ نصیرالدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کے اور بہت مرید
حال ہیں۔ چونکہ ان کا احوال بہ تفصیل مؤلف کی نظر سے نہیں گذرا لہٰذا ان
ذکر کو چھوڑ کر سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے خلفاء کے واقعات
بیان کرتا ہے۔
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت شاہ منتخب الدین المعروف بہ زری زر بخشؒ

منقول ہے کہ شاہ منتخب الدینؒ اور شیخ برہان الدینؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور چونکہ علوم متداولہ اور اخلاقِ حسنہ میں کمال رکھتے تھے ان بزرگوار کے منظورِ نظر ہو کر مراتب عالیہ پر فائز ہوئے۔ پہلے شیخ نظام الدین اولیاؒ نے خلافت نامہ اور مصلےٰ اور عصا اور خلعت شاہ منتخب الدینؒ کو عطا فرمایا اور ارشادِ خلائق کے لئے دکن میں تعین کیا اور بروایتِ مشہور اپنے سات سو مریدوں کو کہ بعضے پالکی سوار تھے ان کے ہمراہ کیا۔ شاہ منتخب الدینؒ ان بزرگواروں کے خرچ کے بارے میں متفکر ہوئے اور سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ریاست مقتضی غمخواری متعلقان و دوستان ہے مجھ میں یہ قوت اور استطاعت نہیں۔ شیخ نظام الدینؒ اولیاؒ نے مراقبے میں جا کر فرمایا۔ ان آدمیوں کا خرچ شب نمازِ تہجد کے وقت تمہارے پاس پہنچے گا۔ شاہ منتخب الدینؒ زمین خدمت کو لبِ ادب سے بوسہ دے کر

راہی ہوئے اور دولت آباد میں جاکر متوطن ہوئے اور آخر عمر تک ہر شب کو
نمازِ تہجد کے وقت غیب سے ایک درج زریں آتی تھی اور شاہ علی الصباح
اسے فروخت کر کے درویشوں کے صرف میں لاتے تھے بعض کتب میں لکھا
ہے کہ شاہ لباس زرین اِس درج سے برآوردہ کر کے بوسہ دیتے تھے اور
اس کو پہن کر نماز تہجد کی ادا کرتے تھے۔ اور صبح کو وہ لباس رفقاء کے صرف
میں لاتے تھے۔ اِس سبب سے مشہور بزرزری بخش ہوئے۔

نقل ہے، کہ جب شاہ منتخب الدینؒ دولت آباد میں فوت ہوئے تو
اسی روز شیخ نظام الدینؒ اولیاءؒ نے از روئے کشف دریافت کر کے شیخ
برہان الدینؒ سے پوچھا کہ تمہارے بھائی شاہ منتخب الدین کی کیا عمر تھی؟ وہ
سمجھے کہ میرا بھائی رحمتِ حق میں واصل ہوا۔ بعد ازاں اپنے مکان میں جاکر ماتم
میں بیٹھے۔ دوسرے دن سلطان المشائخ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوئے
اور شیخ نظام الدینؒ اولیاءؒ نے اپنی وفات سے تھوڑی دیر پہلے دکن کا خرقہ
خلافت شیخ برہان الدینؒ کو مرحمت کر کے رخصت فرمایا
رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

شیخ برہان الدینؒ

کہتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ نے انہیں دکن کی طرف رخصت عنایت فرمائی تو انہوں نے زمینِ خدمت کو بوسہ دے کر عرض کی کہ میں اس مجلس کے بزرگواروں کو کہاں پاؤں گا؟ شیخ نے مراقبے میں جا کر فرمایا: میں نے اہلِ مجلس کے چار سو آدمی تمہیں عطا کیئے۔ پھر عرض کی کہ میں طاقت جدائی کی نہیں رکھتا۔ شیخ نے مراقبے میں جا کر فرمایا کہ جس مقام میں تم رہو گے میرے اور تمہارے درمیان حجاب نہ ہو گا۔ چاہیئے کہ تم سفر اختیار کرو۔ اور فتوح کے باب میں لا رد و کد رہنا۔ شیخ برہان الدینؒ حسب الحکم مع چار سو درویشوں کے دولت آباد میں جا کر ساکن ہوئے۔ اس ملک کے باشندوں کو اعتقادِ عظیم پہنچا اور زر فتوح بلیشمار آنے لگا۔

تذکرۃ الاتقیا میں تحریر ہے کہ ابتدائے حال میں شیخ نظام الدینؒ کا مطبخ انکے حوالے تھا، ایک روز شیخ برہان الدینؒ مطبخ میں گچ پر بیٹھے تھے

سردی نے اُن پر غلبہ کیا ایک پارچہ کہ دوش پر ڈالے رکھتے تھے۔ اُسے زمین سرد پر ڈال کر بیٹھے۔ بعدہٗ ایک شخص نے اُن میں سے سلطان المشائخ کو خبر پہنچائی کہ شیخ مطبخ میں تہا لچہ پر بیٹھے ہیں۔ فرمایا بے ادبی کی ہے ابھی اس کے سر میں ہوس باقی ہے، وہ میرے سامنے آنے نہ پائے۔ یہ خبر جب شیخ برہان الدینؒ نے سنی تو پیر کی مفارقت سے نہایت بیتاب ہوئے، ہر چند یاروں سے التماس سفارش کی فائدہ نہ ہوا۔ آخرش امیر خسروؒ کے پاس جاکر التجا کی۔ وہ چونکہ سلطان المشائخؒ کی خدمت میں قرب اور عزت تمام رکھتے تھے۔ انہوں نے رحم دلی سے اُن کی درخواست قبول کرائی اور دستار اپنے سر سے اتار کر اُن کی گردن میں ڈال کر اسی نہج سے سلطان الاولیارؒ کی خدمت میں لے گئے۔ اُس وقت آنحضرت کلاہ سر مبارک پر کج رکھے ہوئے وضو کرتے تھے۔ بدیہہ یہ بیت پڑھی ؎

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

آنحضرت نہایت خوش وقت ہوئے اور اُٹھ کر دونوں سے بغل گیر ہوئے۔

منقول ہے ایک روز سلطان المشائخ کے روبرو شیخ بایزید بسطامیؒ کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا ہم بھی بایزید بسطامیؒ رکھتے ہیں یاروں نے پوچھا کہاں ہے؟ فرمایا جماعت خانے میں بیٹھا ہے۔ خواجہ اقبالؒ نبر عنت تمام جماعت خانہ میں گئے۔ دیکھا کہ شیخ برہان الدینؒ وہاں بیٹھے ہیں۔ یاروں

تے ہانا کہ یہ بات اُن کے حق میں فرمائی ہے۔

نقل ہے سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس وقت کوئی شخص میرے پاس بعیت کے لئے آتا ہے میں پہلے لوح محفوظ کو دیکھتا ہوں اگر وہ اہل سعادت سے ہے فی الفور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں اور اگر اس کے برعکس ہے تو توقف کرتا ہوں۔ اوّل اس کی سعادت کے واسطے حق تعالےٰ سے دست بہ دعا ہوتا ہوں بعد اس کے مرید کرتا ہوں۔

الحاصل شیخ برہان الدین جب دولت آباد میں برحمتِ حق داصل ہوئے تو خادموں نے اسی مقام پر ان کو دفن کیا اور شیخ زین الدینؒ ان کے قائمقام ہوگئے۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما۔

حضرت شیخ زین الدینؒ

بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ شیخ زین الدینؒ نصیر الدین چراغ
دہلی کے بھانجے ہیں، شیخ زین الدینؒ بہت صاحبِ حال اور اہلِ کمال
تھے۔ جس وقت نصیر الدینؒ فاروقی والیٔ خاندیس نے قلعہ آسیر کو آسا اہیر
سے لیا شیخ زین الدینؒ سے استدعائے عام قدوم کی اور چونکہ وہ ارادت
صادق رکھتا تھا۔ اس کی التماس قبول ہوئی۔ وہ جناب اس مقام میں کہ جہاں اب
قصبہ زین آباد ہے تشریف لائے اور نصیر خاں فاروقی دریا کے اس طرف اس
موضع میں کہ بالفعل جہاں شہر برہان پور ہے وارد ہوا اور شیخ کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کی کہ جناب قلعہ اسیر کو اپنے نورِ حضور سے منور فرمائیں حضرت
نے یہ امر قبول نہ کیا اور فرمایا کہ مجھے پیر کی اجازت نہیں ہے کہ اب تپتی سے
عبور کروں۔ الغرض نصیر خاں فاروقی چند روز جب تک کہ شیخ وہاں رونق افزا

رہے۔ ہر روز صبح کی نماز شیخ کے پیچھے ادا کرکے درویشوں کی خدمت میں تقصیر نہ کرتا تھا جس وقت شیخ نے عزم مراجعت کیا نصیر خاں نے انہیں تکلیفِ قبولِ قصبات و دیہات کی۔ آپ نے جواب دیا کہ فقیروں کو جاگیرداری سے کیا نسبت ہے۔ جب نصیر خاں حد سے زیادہ مصر ہوا کہ میری سرفرازی کے واسطے کچھ قبول فرمائیں تو شیخ نے کہا کہ میں یہ امر قبول کرتا ہوں کہ جس مقام میں تم وارد ہوئے ہو وہاں پر ایک شہر میرے پیر شیخ برہان الدینؒ کے نام آباد کرو اور اس مقام میں کہ فقیر فروکش ہوا ہے ایک قصبہ اس فقیر کے نام بنا کرو۔ خلاصہ یہ کہ نصیر خاں فاروقی نے شیخ کے حضور میں دونوں موضع کی خشت بنیاد رکھی اور شیخ کی زبانِ مبارک کی تائید سے شہر برہان پور عرصۂ قلیل میں اِس قدر آباد ہوا کہ مصر کے ساتھ دعویٰ ہمسری کا کرنے لگا۔ اور زین آباد بھی قصبات میں محسوب ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ

انہوں نے غزنین میں شیخ عبدالواحد سے نظرِ تربیت اور خرقۂ خلافت پایا۔ اس کے بعد دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوئے اور آنحضرت کی خدمت میں مرتبۂ کمال کو پہنچکر واصلانِ حق سے ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ بی بی سامیران کہ ہمشیرہ سید نور الدینؒ غزنوی کی تھیں۔ وہ خواجہ قطب الدینؒ کو بھائی کہتی تھیں اور خواجہ بھی انہیں اپنی ہمشیرہ کے مثل ہی سمجھتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدا کے حال میں روز جمعہ کو شہر دہلی کی جامع مسجد میں حاضر تھا۔ ناگاہ شیخ نظام الدین ابو المؤید تشریف لائے اور اس طرح دوگانہ تحیت میں مشغول ہوئے کہ مجھے ان کی حالت

استغراق سے ذوق تمام حاصل ہُوا۔ بعد ادائے نماز ایک فقیر قاسم نام منبر پر چڑھے اور ایک آیت کلام اللہ کی پڑھی اس کے بعد شیخ نظام الدین رح ابوالمویّد نے کلام آغاز کر کے فرمایا کہ میں نے یہ بیت اپنے یار کے خط خاص سے لکھی دیکھی ہے ؎

در عشق تو کی از تو حذر خواہم کرد
جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

انہوں نے یہ بیت اس سوز و گداز سے پڑھی کہ سامعین اسے سن کر نعرہ زن ہوئے اور مجھے بھی اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

نقل ہے کہ بادشاہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں امساک باران ہُوا۔ لوگوں نے شیخ نظام الدینؒ ابوالمویّد کو دعائے باران کی تکلیف دی ناچار ہو کر انہوں نے دعا باران پڑھی اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ مجھے قسم ہے تیری عظمت اور بزرگواری کی اگر تو آج کے دن پانی نہ برسائے گا تو میں کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ حضرت ابھی منبر سے نیچے نہ اترے تھے کہ باران رحمت نازل ہُوا۔ کہتے ہیں کہ سید قطب الدینؒ ترمذی جو بزرگان وقت سے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ شیخ سے کہا کہ میں جانتا ہوں آپ کو حق تعالےٰ کے ساتھ اخلاص و نیاز تمام ہے۔ لیکن یہ بات آپ نے کیوں فرمائی تھی کہ اگر پانی نہ برسے گا تو میں کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ شیخ نے جواب دیا میں یقین سے جانتا تھا کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ باران رحمت نازل کرے گا۔ اس لئے میں نے یہ فضولی کی تھی بعض سے یہ منقول ہے کہ شیخ نظام الدینؒ ابوالمویّد نے جواب دیا کہ میرے اور سید نور الدینؒ

مبارک غزنوی کے والیان شمس الدین التمش کی مجلس میں کچھ نزاع ہوئی تھی اور لوگوں نے انہیں مجھ سے رنجیدہ کیا تھا اس وقت مجھے یاروں نے دعائے باراں کی تکلیف دی۔ میں نے ان کے روضہ میں جاکر فاتحہ پڑھا اور یہ کہا کہ مجھ سے درگذر کیجئے۔ ناگاہ روضۂ مبارک سے آواز آئی کہ میں نے تجھ سے صلح کی جا دعا کر البتہ حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرمائے گا۔ چنانچہ میں اس اعتماد کے سبب یہ کلمہ زبان پر لایا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس دن منبر پر چڑھ کر شیخ نے ہاتھ آستین میں کر کے اور ایک کپڑا نکال کر آسمان کی طرف دیکھا اور اس کپڑے کو ہلا کر دعا پڑھی۔ ملا وجیہ الدینؒ یحییٰ سے کہ وہ بھی خواجہ کے مرید تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں پوچھا کہ وہ کپڑا کیسا تھا؟ فرمایا وہ کپڑا خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی کا دامن تھا کہ خواجہ نے میری والدہ بی بی سامیراں کو عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ اجابت دعا میں وہ بھی دخیل ہوا۔

حضرت خواجہ امیر خسرو دہلوی رح

ان کا اصل نام ابوالحسنؒ ہے اور ان کے والد امیر سیف الدین محمود امرائے ہزارہ بلخ سے تھے اور قرلیش کے اطراف میں رہتے تھے لیکن چنگیز خاں کے فتنہ شروع ہونے کے قریب وہاں سے ہندوستان میں آکر سلکِ امراء میں منتظم ہوئے۔

امیر خسروؒ قصبہ مومن آباد میں کہ اس زمانہ میں اِس قصبہ کو پٹیالی کہتے ہیں متولد ہوئے اور آٹھ برس کے سن میں جیسا کہ مذکور ہوا باپ اور بھائی کی خدمت میں کہ اعز الدین علی شاہ اور حسام الدین نام تھا رہے اور بعہد شاہ غیاث الدین بلبن شیخ نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت سے مشرف ہو کر مرید ہوئے۔ جب نو برس کا زمانہ گذرا امیر سیف الدین محمود۔ کہ جن کی عمر پچاسی برس کی تھی ایک معرکہ میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور اعز الدین علی شاہ اُن کے قائمقام ہوئے۔ امیر خسروؒ نے اپنے والد کے مرثیہ میں یہ بیت موزوں کی

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد
دریائے خون رواں شد و در یتیم شد

امیر سیف الدین محمود کی شہادت کے بعد امیر خسرو کے نانا جن کا خطاب عماد الملک اور جو عیانِ عصر میں سے تھے اور ایک سو تیرہ برس کی عمر رکھتے تھے اور جن کی صفت دیباچہ غرت الکمال میں تحریر ہے ان کی پرورش و پرداخت میں مشغول ہوئے اور ان کی نسبت اس قدر توجہ و التفات مبذول فرمائی کہ فضلائے عصر سے ہوئے۔

ایک دن شیخ نظام الدین اولیاؒ مع اپنے اصحاب کے بازار کی طرف جاتے تھے۔ امیر خسروؒ کہ جن کا آغازِ شباب تھا وہ بھی ہمراہ تھے خواجہ حسن شاعر کہ حسن و جمال وافر اور فضل و دانش کامل رکھتے تھے ایک دوکان میں بیٹھ کر روٹی بیچتے تھے جونہی امیر خسروؒ کی نگاہ اُن سے دوچار ہوئی اُن کی شکل زیبا اور حرکات موزوں دلربا دیکھ کر مرغِ دل ان کا گرفتار ہوا اور اُن کے قریب جاکر پوچھا روٹی کیونکر بیچتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ میں ایک پلہ میں روٹی رکھ کر خریدار سے کہتا ہوں کہ زر دوسرے پلہ میں رکھ جب وہ اس کا روٹی کے وزن سے بہت گراں ہوتا ہے تو مشتری کو روانہ کرتا ہوں۔ امیر خسرو نے جواب دیا اگر مشتری مفلس ہو اسکی کیا تدبیر ہے؟ کہا اس سے زر کے عوض درد و نیاز بھی لیتا ہوں۔ امیر خسرو خواجہ حسن کے حسن کلام سے حیران رہے اور حقیقت حال شیخ سے عرض کی۔ خواجہ حسن کو بھی دردِ طلب دامنگیر ہوا اور انہی دنوں دکان ترک کی۔ اگرچہ خواجہ حسن اس عرصہ میں شیخ کے مرید نہ ہوئے لیکن پہلے سے زیادہ تر علوم و کمالات ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہو کر شیخ کی خانقاہ کی طرف

آمد و شد کرتے تھے۔ ان کے اور امیر خسروؒ کے درمیان الفت تمام بہم پہونچی اور دونوں نے شہزادہ محمد سلطان خاں شہید بن بادشاہ غیاث الدین بلبن کہ حاکم ملتان تھا نوکری اختیار کی الغرض امیر خسروؒ شاہزادہ کے مصحف دار اور خواجہ حسن دوات دار ہوئے۔

جب محمد سلطان خاں شہید دہلی میں آتا تھا دونوں عزیز شاہزادوں کی خدمت سے فارغ ہو کر اکثر اوقات شیخ کی ملازمت میں لبسر کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی عاشقی و معشوقی کا اس قدر شہرہ ہوا کہ صاحب غرض لوگوں نے شاہزادہ سے عرض کی کہ تمام خلق امیر خسروؒ اور خواجہ حسن کو اہلِ ملامت سے جانتی ہے یہ خریبی خدمت کے قابل نہیں ہیں۔ امیر خسروؒ نے انہی دنوں یہ غزل کہ جس کا مطلع یہ ہے موزوں کی ؎

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید

خسروا فرمان دل بردن ہمیں بار آورد

بعد ازاں محمد سلطان خاں شہید نے ازروئے مصلحت خواجہ حسن کو امیر خسروؒ کی مصاحبت اور اختلاط سے ممانعت فرمائی لیکن چونکہ ان کے درمیان رشتۂ محبّت مضبوط تھا ممانعت نے کچھ فائدہ نہ بخشا اور اہلِ غرض نے پھر یہ امر محمد سلطان خاں شہید سے عرض کیا اور اس مرتبہ شہزادہ نے غیظ میں آکر چند تازیانہ خواجہ حسن کو مارے اور وہ وہاں سے برآمد ہو کر پھر امیر خسروؒ کے مکان پر گئے محمد خاں شہید کو اسی وقت یہ خبر پہونچی تو متعجب ہو کر ایک حضار مجلس سے کہ حقیقت حال سے مطلع تھا یہ فرمایا کہ ان کی محبت مجازی زیورِ حقیقت

سے آراستہ ہوئی ہے اور ان کا جمال حال پردۂ عفت وصلاح سے پیراستہ ہوا ہے۔ محمد سلطان خاں شہید نے آدمی بھیج کر امیر خسروؒ کو طلب کر کے پوچھا کہ محبت تمہاری آمیزش ہوا سے پاک ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان سے دوئی کوچ کر گئی ہے۔ محمد سلطان خاں شہید نے گواہ طلب کئے، امیر خسروؒ نے ہاتھ آستین سے نکال کر کہا ع

گواہِ عاشق صادق در آستین باشد

محمد سلطان خاں شہید نے جب دیکھا کہ نشان تازیانہ جس مقام پر کہ خواجہ حسن کے پہونچا تھا امیر خسروؒ کے ہاتھ پر ظاہر ہے تو سکوت اختیار کیا اور امیر خسروؒ نے فوراً یہ رباعی پڑھی۔

عشق آمد و شد چہ خونم اندر رگ و پوست
تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست
اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت
نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست

اور اس وقت نسیم عالم تحقیق اور ان کے باغ امید پر چلی اور عالم و ما فیہا ان کی نظر ہمت میں ایک خس دکھلائی دئے اور شاہزادہ کی ملازمت سے مستعفی ہونے کی خواہش کی۔ لیکن محمد سلطان خاں شہید نے انہیں اجازت نہ دی۔ اس کے بعد جب محمد سلطان خاں شہید ملتان میں بدرجۂ شہادت فائز ہوئے امیر خسروؒ دہلی میں آکر امیر علی جامہ دار کے ملازم ہوئے اور ان کی مدایح امیر خسروؒ کے دیوان میں بہت ہیں، بعدہٗ بادشاہ جلال الدین خلجی کے مقرب ہوئے اور

مثل اپنے باپ اور بھائی کے مدارج علیہ پر پہنچ کر امرائے دربار میں مخصوص ہوئے اور بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے عہد تک جو بادشاہ تخت پر جلا گیا کرتا امیر خسروؒ کو معزز کر کے امراء کے جرگہ میں رکھتا تھا اور بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ کہ تغلق نامہ اس کے نامِ نامی سے منسوب ہے امیر خسروؒ کو امراء کبار سے زیادہ عزت دے کر سفر بنگالہ میں اپنے ہمراہ لے گیا لیکن مراجعت کے وقت بادشاہ نے کسی کام کے لئے امیر خسروؒ

کو لکھنوتی میں چھوڑا۔ اس اثنا میں امیر خسروؒ نے جب سنا کہ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ رحمتِ حق میں واصل ہوئے اس سبب سے بیتاب ہو کر بتعجیل تمام آنحضرت کے مزار پر حاضر ہوئے اور نقد و جنس سے جو کچھ رکھتے تھے ان کی روح پُر فتوح کی ترویح کے واسطے فقراء اور مساکین پر تقسیم کیا اور بادشاہ کی خدمت سے دست کش ہو کر مجرد ہوئے اور سیاہ ماتمی لباس پہن کر آنحضرت کی قبر پر ساکن ہوئے اور مفارقت سے ایسے محزون و مغموم ہوئے کہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد کہ چھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا، جمعرات کو انتیسویں تاریخ ماہ ذی قعدہ ۷۲۵ھ میں بجوار رحمتِ ایزدی واصل ہوئے اور اسی حظیرہ میں اپنے مرشد کے پائیں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ نے بارہا فرمایا تھا کہ امیر خسروؒ میرے بعد زندہ نہ رہے گا جب رحلت کرے تو اُسے میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرا صاحب اسرار ہے۔ اور میں بھی بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا اور اگر دو شخص کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہوتا تو میں وصیت

کرنا کہ اسے میری قبر میں دفن کر دیں تاکہ دونوں ایک جا رہتے۔

الغرض جب امیر خسروؒ فوت ہوئے چاہا کہ وصیت کے موافق شیخ کے پہلو میں مدفون کریں۔ ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا اور شیخ کا مرید تھا مانع ہوا کہ شیخ کے بعض مریدوں کا شیخ اور امیر خسروؒ کے مزار میں اشتباہ ہو گا۔ اس لئے انہیں شیخ کے پائیں چبوترۂ یاران میں مدفون کیا۔ چنانچہ استاد کا یہ قطعہ مادۂ تاریخ ہے۔

قطعۂ تاریخ

میر خسرو خسرو ملک سخن | آں محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین | نظم او صافی تر از ماء زلال
بلبل بستان سرائے او و دین | طوطی شکر مقال بے زوال
از پئے تاریخ سال فوت او | چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او ۷۲۵
دیگرے شد طوطی شکر مقال ۷۲۵

تذکرۃ الاولیا میں مسطور ہے کہ امیر خسروؒ استادان ماضیہ کی نسبت زبان طعن کشادہ کرتے تھے۔ بالخصوص اس وقت کہ خمسۂ نظامی کا جواب دیتے تھے اور سلطان المشائخ ان کو نظامی گنجوی کے باطن سے خوف دلا کر منع کرتے تھے اور امیر خسروؒ جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی پناہ میں ہوں مجھے کچھ آسیب نہ پہنچے گا۔ قصداً یہ بیت کہی ہے۔

کوکبۂ خسرویم شد بلند | غلغلہ در گور نظامی فگند

تو ناگاہ تیغ برہنہ امیر خسروؒ کی طرف نمودار ہوئی امیر خسروؒ نے اسی
ات شیخ اور شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کا نام لیا۔ اس وقت ایک ہاتھ
دا ہوا اور سر آستین دم تیغ میں دیا۔ وہ تلوار وہاں سے گذر کر کے ایک
کے درخت پر کہ اس مقام میں تھا پہونچی۔ امیر خسروؒ شیخ کی خدمت میں حاضر
رے اور یہ حال اپنے پیر و مرشد سے اظہار کیا چاہتے تھے کہ شیخ نے ان کو
ر آستین دکھلایا۔ پھر امیر خسروؒ نے زمین خدمت کو لب ادب سے بوسہ دے کر
عا کی اور شیخ نے اُن کے حق میں یہ دو ابیات فرمائیں ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیت ملک سخن از خسرو ماست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدا ناصر ایں خسرو ماست

شیخ آذری نے جواہر الانوار میں لکھا ہے کہ شیخ مصلح الدین سعدیؒ
شیرازی عین پیرانہ سالی میں شیراز سے امیر خسروؒ کی ملاقات کو ہندوستان
یں آئے اور شعر میں حق استادی ان پر ظاہر کرتے تھے۔ امیر خسروؒ بھی ان
سے نہایت اعتقاد رکھتے تھے۔ الغرض اس بیت میں ان کا اعتقاد ظاہر
ہوتا ہے۔

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ سعدی کہ در شیراز بود

اور دوسرے مقام میں فرمایا ہے ؎

جلدِ سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

یہ بھی منقول ہے کہ شیخ نظام الدینؒ اولیاء نے بارہا فرمایا تھا کہ خدا مجھے اس ترک کے سوز سینہ کے سبب بخشے، امیر خسروؒ نے ان کی مدح میں بہت کچھ کہا ہے۔ اور یہ دو بیت انہی میں سے ہیں ؎

جدا از خانقاہِ او بہ تقدیم
حطیم کعبہ را مانند بہ تعظیم
ملک کردہ بہ سقفش آشیانہ
چو اندر سقفہا گنجشک آشیانہ

بعض کتب میں فقیر کی نظر سے گذرا ہے کہ امیر خسروؒ کی ریاضت باوجود شغل امارت کے اس درجہ اعلیٰ کو پہونچی تھی کہ چالیس سال صوم الدہری میں بسر کئے اور حضرت خواجہ خضرؑ کی ملاقات سے مشرف ہو کر لعاب دہن کی التماس کی چنانچہ حضرت خواجہ خضرؑ نے ارشاد کیا کہ یہ دولت شیخ مصلح الدینؒ سعدی شیرازی کے نصیب ہو چکی ہے۔

امیر خسروؒ نے شیخ نظام الدینؒ اولیا کی ملازمت میں حاضر ہو کر وہ حقیقت عرض کی۔ شیخ نے اپنا آب دہن اُن کے دہن میں ڈالا چنانچہ اس کی برکات سے امیر خسروؒ نے بانوے کتابیں سلکِ نظم میں منتظم کیں اور مشہور ہے کہ امیر خسروؒ نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کمتر اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔ امیر خسروؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک روز میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ میرا تخلص اہل دل

سے نسبت رکھتا ہے اگر فقرا کی طرف نسبت ہوتا تو کیا خوب ہوتا تاکہ عرصہ قیامت میں مجھے اس نام کے ساتھ بلاتے۔ سلطان المشائخ نے یہ امر دریافت کر کے فرمایا کہ وقت سعید میں تیرا تخلص رکھا جائے گا۔ پھر بعد چند روز کے فرمایا مجھے یوں ظاہر ہوا ہے کہ تجھے صحرائے محشر میں محمد کاسہ لیس کہہ کر بلائیں گے۔ امیر خسرو کی مدت عمر چوراسی برس کی ہوئی ؒ

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ۔

حضرت شیخ سلیمؒ

حضرت شیخ سلیمؒ حضرت شیخ فریدالدینؒ مسعود گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔ باپ اُن کے سپاہی تھے اور قصبہ سیکری میں جو شہر آگرہ سے بارہ کوس ہے رہتے تھے۔ شیخ سلیمؒ کی اِسی قصبہ میں ولادت ہوئی، جب سن رشد و تمیز کو پہنچے مسائل لابدی سے بہرہ حاصل کر کے تصفیہ باطن میں کوشش کی۔ اور دو مرتبہ سیکری سے ولایت میں جا کر ممالک عرب و عجم اور روم کی سیر کی۔ ایک مرتبہ سولہ سال اس حدود میں رہے دوسری مرتبہ سات برس، اور ایک مدت بصرہ میں بسر کر کے تئیس بار حج کر کے ہندوستان میں مراجعت کی اور اس پہاڑ پر جو سیکری کے پہلو میں واقع ہے سکونت اختیار کی اور عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اکثر ایّام صائم رہتے تھے۔

شیر شاہ اور سلیم شاہ افغان سور و خواص خان جو اس کے امرائے کبار سے تھے حضرت سے ارادتِ صادق رکھتے تھے اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے بھی حضرت سے محبت و اخلاص بہم پہنچا کر اس پہاڑ میں ایک شہر موسوم بہ فتح پور بنا کیا اور تقریباً بارہ برس تک اسے تخت گاہ بنا کر شیخ کے مکان کے قریب ایک مسجد اور خانقاہ نہایت پُر تکلف تعمیر کی، اور شیخ کی مجلس میں اکثر حاضر ہو کر شیخ کی تعظیم و تکریم میں کوشش کرتا تھا۔

جب حضرت ۹۷۰ھ میں برحمتِ حق واصل ہوئے تو حضرت کے بڑے صاحبزادے شیخ بدر الدینؒ ان کے سجادہ نشین ہوئے اور چند روز بعد مکہ میں جا کر وفات پائی۔ اُن کا دوسرا بیٹا قطب الدینؒ نام رکھتا تھا، وہ اس سبب سے کہ اُن کی والدہ نے نور الدین محمد جہانگیر کو دودھ پلایا تھا اس بادشاہ صوری و معنوی کے عہد میں مرتبۂ بزرگی و امارت کو پہنچا اور بنگالہ کی حکومت پائی، پھر چند عرصے کے بعد وہ ایک اہلِ غدر کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ شیخ بدر الدینؒ کا فرزند علاؤ الدین نام رکھتا تھا بہ خطاب اسلام خاں حکومت بنگالہ پر سرفراز ہوا۔

شیخ سلیم چشتیؒ کی نسبت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے یوں ہے شیخ سلیم بن بہاؤ الدینؒ بن شیخ سلطانؒ بن شیخ آدم بن شیخ موسیٰؒ بن شیخ مودودؒ بن شیخ بدر الدینؒ بن شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ناظرین پر پوشیدہ نہ رہے بسلسلہ چشتیہ میں سوائے جماعت مذکورہ کے

اور بھی اولیاء اللہ بہت ہیں کہ اُن کے احوال فقیر کی نظر سے نہیں گذرے۔
مثلاً مولانا جمال الدینؒ ہانسوی، مولانا بدرالدینؒ اسحٰق، شیخ بدرالدین سلیمانؒ
شیخ علاؤالدینؒ، مولانا فخرالدینؒ، شیخ شہاب الدینؒ امام اور دوسرے بہت
سے مشائخ کہ اُن کے نام فقیر کے گوش زد نہیں ہوئے۔ اس صورت میں اگر
توفیق رہبری کرے گی اور اُن کے حالات پر مشتمل کیفیت نظر سے گذرے گی
تو اس کا خلاصہ اضافۂ کتاب ہذا ہوگا۔ ورنہ جس شخص کو فرصت ہو تحریر کر کے
ملحق کرے۔ کہ فقیر ممنون تلطف ہوگا۔

لمعۂ دوم در بیان مقالات و مقامات

خاندان سہروردیہ ملتان

حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح

آں محرم رازِ لامکانی
موصوف صفات جاودانی
فلک بزیر پای کردہ
در عالم عشق جای کردہ
جا روفتہ از فنای توحید
پا کوفتہ در مقامِ تفرید
باطن بہویت و حقیقت
ظاہر بشریعت و طریقت
آں پاک گزیدۂ مشائخ
واں مردمِ دیدۂ مشائخ

سلطان سریر ملک تمکین
یعنی کہ بہائے ملّت دین

زبدۃ الاتقیا و خلاصۃ الاولیا، شیخ بہاؤالدین ذکریا قدس سرہ العزیز مشائخ کبار سے ہیں اور ہندوستان ان کے غبارِ آستان سے سر رفعت آسمان پر رکھتا ہے۔ حضرت کے جدّ بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم کی طرف آئے اور وہاں سے قبۃ الاسلام ملتان میں تشریف لاکر ساکن ہوئے چونکہ آپ صلاح و تقویٰ میں کمال رکھتے تھے۔ وہاں کے باشندے اُن کے آنے سے نہایت محظوظ ہوئے اور مریدوں کی طرح باعزاز واکرام پیش آئے۔ کمال الدین علی شاہ نے وہاں استقامت فرمائی اور قلعہ کوٹ کروڑ میں جس کو سلطان محمود نے اپنے زمانۂ جہانگیری و کشورکشائی میں فتح کیا تھا۔ مولانا حسام الدینؒ ترمذی رہتے تھے جو چنگیز خاں کے فتنے میں جلائے وطن ہو کر ترمذ سے یہاں آئے تھے۔ کمال الدینؒ علی شاہ اُن کی دختر پاکیزہ گوہر کو اپنے فرزند شیخ وجیہہ الدینؒ کے عقد ازدواج میں لائے اور شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا اس دختر بلند اختر کے بطنِ مبارک سے قلعہ کوٹ کروڑ میں ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔

شیخ عین الدینؒ بیجاپوری نے تذکرۃ الاولیائے ہند میں لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی سے ہیں۔ اور ہبار اسلام میں آئے تھے اور اُن کے بھائی زمعہ اور عمرو اور عقیل بحالتِ کفر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے اور حضرت سودہ رضؓ جو

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواج میں تھیں۔ زمعہ کی بیٹی ہیں۔

الغرض جب شیخ بہاؤالدینؒ بارہ برس کے ہوئے شیخ وجیہ الدینؒ اس دارِ ناپائیدار سے کوچ کر کے رحمتِ حق میں واصل ہوئے اور شیخ بہاؤالدینؒ نے سفر خراسان اختیار کیا۔ اور وہاں بزرگانِ دین کی صحبت میں پہنچکر فیضیاب ہوئے۔ وہاں سے بخارا میں جا کر علومِ ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور مرتبہ اجتہاد کو پہنچے اور شہرت عظیم پائی۔

پندرہ برس کی عمر میں خلائق کی تدریس اور افادۂ علوم میں مصروف ہوئے چنانچہ ہر روز ستّر علما و فضلا۔ اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ میں جاکر حج کے مناسک بجالائے۔ ایک راوی کہتا ہے کہ حضرت روضۂ رسولؐ میں پانچ برس مجاور رہے اس کے بعد شیخ کمال الدینؒ محمد یمنی کے پاس کہ محدثین کبار سے تھے۔ ترپن برس مدینہ منورہ میں تدریس حدیث فرماتے رہے۔ پھر کتب حدیث کو پڑھ کر اور اجازت حاصل کر کے بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے اور مزارات انبیا علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہو کر بغداد میں آئے اور وہاں سے مشائخ کی زیارت کر کے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی صحبت کے فیض سے مشرف ہوئے۔

بروایت شیخ نظام الدینؒ اولیا سترہ روز میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا بقصدِ حصول نظرِ عنایت اور خرقۂ خلافت شیخ الشیوخ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو ایک رات شیخ کی خانقاہ میں یہ واقعہ دیکھا۔ کہ ایک مکان ہے منوّر اور سرورِ کائنات صلوات اللہ علیہ اس میں تشریف

رکھتے ہیں اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ بطریق حجاب آپ کے روبرو ایستادہ ہیں اور اس مکان میں ایک طناب بندھی ہوئی ہے اور اس طناب پر چند خرقے آویزاں ہیں بعد اس کے خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ الشیوخ کے ذریعے سے شیخ بہاؤالدینؒ کو اپنے روبرو بلوایا اور شیخ الشیوخ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر مسند نشین بارگاہ نبوت کے قدمبوس سے مشرف کیا۔ آنحضرت نے شیخ الشیوخ کو اشارہ کیا کہ فلاں خرقہ شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کو پہنا! شیخ الشیوخ نے حضرت کے فرمان کے بموجب عمل کر کے دوبارہ شیخ کو پائے بوس اقدس سے سربلندی بخشی اور وہ جناب بسبب اس خواب کے شیخ الشیوخ کے خرقہ کے امیدوار ہو کر خوش حال ہوئے قضارا علی الصباح اُن بزرگوار نے شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کو مکان میں طلب کیا اور آپ نے اِسی مکان کو وضع کے ساتھ جو خواب میں دیکھا تھا مشاہدہ کیا اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمرؒ نے اُٹھ کر اپنے ہاتھ سے وہ خرقہ کہ حضرت رسالت پناہ نے اشارے سے فرمایا تھا طناب سے اُٹھا کر انہیں پہنایا اور یہ فرمایا یا شیخ بہاءالدینؒ ذکریا یہ خرقے حضرت نبوت پناہی کے ہیں اور میں درمیان میں متوسط ہوں بے اجازت آنحضرتؐ کسی کو نہیں دے سکتا ہوں۔

شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ جب چند روز میں شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کو یہ نعمت عظمٰی نصیب ہوئی تو وہ درویش جو مدت مدید سے شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھے متعجب ہوئے کہ ہمیں باوجود خدمت چند سالہ کے دولت نصیب نہ ہوئی اور اس ہندی فقیر نے بمجرد پہنچنے کے یہ سعادت حاصل کی

پس شیخ الشیوخ نے عالم کشف میں یہ امر دریافت کر کے درویشوں سے فرمایا تم لوگ گیلی لکڑی کے مانند ہو اور ذکریا بمنزلہ ہیزم خشک ہے اور آگ خشک لکڑی کو جلد تر پکڑتی ہے۔ بعد ازاں شیخ الشیوخ نے شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کو وداع کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ ملتان میں جا کر سکونت کرو۔ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے رجوع ہوئی ہے۔

کہتے ہیں اس وقت شیخ جلال الدینؒ تبریزی کہ شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھے عرض پیرا ہوئے۔ کہ مجھے شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا سے کمال محبت بہم پہنچی ہے، اگر ارشاد ہو اُن کی خدمت میں رہ کر ہند کی سیر کروں! شیخ الشیوخ نے رخصت فرمایا لیکن شیخ جلال الدینؒ تبریزی خوارزم تک ہمراہ گئے اور اجازت لے کر اس حدود میں توقف کیا۔ شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا ملتان میں جا کر متاہل ہوئے اور آخر پروردگار عالم نے انہیں شیخ صدرالدین عارف اور دیگر فرزند کرامت فرمائے۔

شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کے مرید بہت ہیں۔ از انجملہ ایک سید جلال الدینؒ بخاری ہیں اور احوال اُن کا مرقوم ہو گا۔ حضرتؒ کے دوسرے مریدوں میں شیخ فخرالدینؒ اور شیخ ابراہیمؒ عراقی ہیں۔ شیخ ابراہیم عراقی اٹھارہ برس کے سن میں اپنے مدرسے میں جو نہایت پُرتکلف اور باصفا تھا بیٹھ کر درس دیتے تھے اور طلبہ کو فیض پہنچاتے تھے۔ ان دنوں قلندروں کی ایک جماعت مدرسے میں آکر اُن کی ملاقات سے مشرف ہوئی اور چونکہ اس جماعت میں ایک مرد صاحب جمال تھا۔ شیخ عراقیؒ کی نگاہ جونہی اس پر پڑی دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ درس و

بحث کو ترک کر کے اُن کی مہمانی میں مشغول ہوئے اور جب تین چار روز کے بعد قلندر اس حال سے واقف ہوئے خراسان کا راستہ لیا۔ شیخ ابراہیم عراقی بیتاب ہو کر دو تین روز کے بعد اُن کی تلاش میں روانہ ہوئے اور اُن کے پاس پہنچکر ارادہ رفاقت کا کیا۔ قلندروں نے عرض کی آپ مرد بزرگ ہیں، قلندران ابرو تراش کے ساتھ کیونکر صحبت رکھیں گے؟ شیخ ناچار ہو کر چار ابرو تراشوا کر اُن کا لباس پہنکر رفیق ہوئے۔ اسی جماعت کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے ملتان پہنچے اور شیخ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ میں گئے۔ جب شیخ کی نظر اس جماعت پر پڑی عراقی کو آپ نے پہچانا اور متعجب ہوئے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بعد اس کے ہمت مصروف فرمائی کہ انہیں لباسِ قلندری ترک کرا کے اس لڑکے کی قید عشق سے نجات بخشیں، قضارا شیخ کو خبر پہنچی کہ قلندران مسافر ملتان سے نکل گئے، شیخ نے تامل کیا۔ اسی دوران میں ایک طوفانِ عظیم کے کسی نے نہ دیکھا تھا اُٹھا اور گرد و غبار کی کثرت سے دن نے رات کا لباس پہنا، فضائے عالم تیرہ و تاریک ہوئی۔ قلندروں کی جماعت جس راہ میں جاتی تھی تاریکی کی شدت سے سراسیمہ اور بدحواس ہوئی اور ایک دوسرے کی خبر نہ رکھ کر متفرق و پریشان ایک طرف جا پڑی، شیخ ابراہیم عراقی بقصد قلندر زادہ ایسے راستے میں پڑے کہ وہ بے اختیار شیخ بہاؤالدین زکریا کے مکان پر پہنچے اور شیخ نے صفائے باطن سے دریافت کر کے خادم کو باہر بھیجا۔ انہیں خانقاہ میں طلب کیا اور اُٹھ کر شیخ ابراہیم عراقی کو اپنے آغوش میں کھینچا، جب شیخ کا مبارک سینہ ان کے سینے پر پہنچا۔ اسی وقت قلندر بچے کی محبت شیخ ابراہیم عراقی کے دل سے دور ہوئی اور شیخ نے انہیں اپنے لباس خاص سے مشرف فرمایا۔ چنانچہ اُن

کے رہنے کے لیئے ایک حجرہ مخصوص کر کے تربیت میں مشغول ہوئے حتیٰ کہ یہ نوبت آئی کہ شیخ نے اپنی دختر جو عفت و پرہیزگاری میں اپنے وقت کی رابعہ تھیں اُن کے عقدِ نکاح میں دی۔

شیخ ابراہیمؒ عراقی اور پیر محمد شہریار جو شیخ الشیوخ شیخ شہابؒ الدین سہروردی کے بھانجے تھے وہ ہمیشہ صاحب جمال لڑکوں سے بہ نظر پاک مشغولِ محبت ہوتے تھے۔ ایک دن اہلِ اعراض نے شیخ الشیوخ سے عرض کی کہ ابراہیمؒ عراقی ایک نعلبند کے لڑکے کے روبرو بیٹھ کر نظارہ کرتا ہے۔ شیخ الشیوخ نے ملامت کی اور فرمایا۔ اے ابراہیمؒ عراقی مگر دردِ دلنشیں رکھتا ہے کہ اس کام میں مشغول ہے اُٹھ اور کنارہ کش ہو۔ اہلِ نظر حرف زن ہیں۔ ابراہیمؒ عراقی نے کہا اے شیخ غیر کہاں ہے جو حضور گمان فرماتے ہیں۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ اس گستاخی سے کبیدہ خاطر ہوئے اور ابراہیمؒ عراقی یہ امر سمجھ کر ایک مدت تک زار زار روتے رہے یہاں تک کہ شیخ الشیوخ اُن سے راضی ہوئے اور انہیں شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کے پاس ملتان میں روانہ کیا۔ چنانچہ ابراہیمؒ عراقی ملتان پہنچے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۲۵ برس اُن کی خدمت میں بسر کیئے اور سلوک میں مشغول ہوئے اور حد سے زیادہ فتوح حاصل کی۔ اور اُن دنوں اشعار پرسوز کہتے تھے اور شیخ بہاؤالدینؒ زکریا کو اس کلام سے وجد پیدا ہوتا تھا۔ ایک شب شیخ کا گذر ابراہیمؒ عراقی کے حجرے کی طرف ہوا اور اس غزل کا زمزمہ سُنا۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند   زچشم مست ساقی وام کردند

برائے صیدِ مرغ جان عاشق | ز زلفِ ماہ رویاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و الم بود | بہم بردند و عشقش نام کردند
ز بہر نقل مستاں از لب و چشم | مہیا شکر و بادام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ کو اس غزل کے سننے سے وجد و حال عجیب ہوا منقول ہے کہ ابراہیم عراقی اُن دنوں شیخ بہاؤ الدین ذکریا کی خدمت میں بسر کرتے تھے۔ زوجہ اُن کی کہ دختر شیخ کی تھی فوت ہوئی۔ اور شیخ نے چاہا کہ دوسری دختر جو اس سے چھوٹی تھی شیخ ابراہیم عراقی کے حبالۂ نکاح میں لے آئیں۔ اپنے بڑے فرزند شیخ صدر الدین عارف سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا میں نے ایک روز ابراہیم عراقی کو ساباطِ خانقاہ پر دیکھا تھا کہ کھڑا ہے اور پیراہن کو اٹھا کر کسبِ ہوا کرتا ہے ایسا شخص پیوند کے لائق نہیں ہے۔

شیخ ابراہیم عراقی بعد از وفات شیخ بہ نیت حج بیت اللہ ملتان سے برآمد ہوئے اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد روم کی سمت روانہ ہوئے اور شہر قونیہ میں شیخ صدر الدین عارف کو دیکھ کر کتاب خصوص اُن سے پڑھی اور نسخۂ لمعات لکھا اور روم میں حسن قوال پر کہ جمالِ دلپذیر اور حسن صورت بے نظیر رکھتا تھا عاشق ہو کر غزلیں کہیں۔ چنانچہ یہ مطلع اُن میں سے ایک غزل کا ہے ؎

ساز طرب عشق چہ دانی کہ چہ ساز است | کز زخمۂ او نہ فلک اندر تگ و تاز است

پھر وہاں سے مصر میں گئے اور ایک موچی کے لڑکے کے حسن دلربا

پریشیدہ ہوئے۔ بعد اس کے ولایت شام میں جاکر دمشق میں ایک امیرزادے پر عاشق ہوئے اور وہاں اُن کا فرزند کبیرالدینؒ جو شیخ بہاؤالدینؒ زکریا کی دختر سے تھا ملتان سے آکر باپ کی ملازمت سے مشرف ہوا۔

خلاصہ یہ کہ ابراہیمؒ عراقی ذیقعدہ کی آٹھویں تاریخ ۶۸۸ھ میں فوت ہوگئے قبر اُن کی اور اُن کے فرزند اکبرالدینؒ کی دمشق میں شیخ محی الدینؒ ابن عربی کے مزار کے عقب میں ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

شیخ بہاؤالدینؒ زکریا کے مریدان صادق الاخلاص میں سے ایک مرید امیر حسینؒ نام قوم سادات سے ہیں اوّل مرتبہ اپنے والد سید نجم الدینؒ کے ہمراہ بغرض تجارت ملتان میں پہونچکر مرید ہوئے اور مقدمات علمی میں کمال حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوئے تو سر میں اور ہی سودا پیدا ہوا۔ لیکن اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد عالم تجرید میں قدم رکھا اور مالِ دنیوی سے جو کچھ کہ رکھتے تھے فقرا کو دے کر ملتان میں آئے اور شیخ کے مریدوں کی سلک میں منسلک ہوئے اور تین برس اُن کی خدمت میں رہ کر بہت کمال حاصل کئے۔ اُن کی بہت تصانیف مثل "نزہت الارواح" اور "زاد المسافرین" اور "کنز الرموز" وغیرہ شیخ کی شرح اصلاح سے مشرف ہوئی ہیں۔ انہوں نے شیخ بہاؤالدینؒ زکریا اور اُن کے فرزند شیخ صدرالدینؒ عارف کی مدح "کنز الرموز" میں کی ہے۔ ابیات:-

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیا — واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر ملت بہار شرع دین — جان پاکش منبع صدق و یقین

از وجود او بہ نزدِ دوستاں | جنت الماوی شدہ ہندستاں
منکہ او از نیک و از بد تافتم | این سعادت از قبولش یافتم
رخت ہستی چوں بُرون بُرد از میان | کرد پرواز بمایۂ آشیان
آں بلند آوازۂ عالم پناہ | سرورِ عصر افتخارِ صدرگاہ

صدر دین و دولت آں مقبولِ حق
نہ فلک بر خوانِ جودش یک طبق

امیر حسین چھٹی شوال سات سو اٹھارہ ہجری میں ہرات میں فوت ہوئے شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کے مریدوں سے شیخ حسن افغان صاحبؒ ہیں کہ احوال اُن کا عنقریب مذکور ہوگا۔

نقل ہے کہ قطب الدین ایبک نے شمس الدین التمش کو آزاد کیا اور چتر سرخ و سیاہ اور خرگاہ خاص سلطان معز الدین محمد سام غوری کی اُسے بخش کر ولیعہد کیا اور حکومت شہرِ اوچ اور ملتان کی دے کر ناصر الدین قباچہ کو شمس الدین التمش کی اطاعت کے واسطے وصیت فرمائی۔ قضارا ناصر الدین قباچہ نے بعد وفات قطب الدین ایبک بغاوت کر کے شمس الدین التمش کہ دہلی کا بادشاہ تھا اس کی اطاعت نہ کی اور اس کے علاوہ شرع محمدی کے رواج میں بھی ساعی نہ ہوا۔ اس کے متعلقوں نے فسق و فجور شروع کیا۔ شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا اور قاضی شرف الدین اصفہانی عامل ملتان نے شمس الدین التمش کے پاس مکاتیب مشتمل اظہارِ مخالفت ناصر الدین قباچہ اور عدم رواج شریعت تحریر کر کے ارسال کئے۔ اتفاقاً ہر دو مکتوب ناصر الدین قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگے

اور ناصر الدین قباچہ اُن خطوط کو پڑھ کر خط پیچیدہ کی مانند پیچ تاب کھا کر طیش میں آیا اور شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا اور قاضی شرف الدین کی طلب میں آدمی بھیجے جب دونوں بزرگوار حاضر ہوئے شیخ کو اس نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور قاضی کو بھی برابر بٹھا کر اُن کے خط حوالے کئے۔ قاضی اسے دیکھ کر شرمندہ اور سرنگوں ہوئے۔ ناصر الدین قباچہ نے ان کو اسی وقت تیغ ظلم سے قتل کیا۔ اس کے بعد دوسرا خط شیخ کو دیا۔ شیخ نے فرمایا البتہ یہ خط میرا ہے لیکن میں نے اسے فرمانِ حق کے مطابق لکھا ہے تو کیا کر سکتا ہے؟ ناصر الدین قباچہ یہ فرمان سن کر کانپنے لگا۔ اور شیخ کو براعزاز و اکرام تمام رخصت کیا۔

نقل ہے کہ عبداللہ نام ایک قوال روم سے ملتان میں پہنچا اور شیخ کی ملازمت کر کے عرض پیرا ہوا کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ سہروردی نے میری آواز سنی ہے۔ آپ بھی اگر سماعت فرمادیں تو بندہ نوازی سے بعید نہ ہوگا۔ شیخ نے فرمایا۔ جو حضرت نے سنا ہے ذکریا بھی سنے گا۔ پھر رات گئے حضرت حجرے میں تشریف لائے اور مجلس سماع منعقد ہوئی۔ عبداللہ قوال نے اس بیت کی تکرار کی ؎

مستاں کہ شراب ناب خوردند از پہلوئے خود کباب خوردند

شیخ وجد میں آکر ایستادہ ہوئے اور چراغ آستین سے بجھایا۔ عبداللہ قوال سے منقول ہے کہ جب شیخ اثنائے سماع میں میرے نزدیک آتے تھے تو حضرت کے دامن کے سوا مجھے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دوسرے دن عبداللہ قوال خلعتِ گرانمایہ اور بیس تنگہ نقد پاکر اجودھن کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر

شیخ فریدالدین گنج شکر کے قدمبوس ہو کر دہلی کی سمت روانہ ہوا۔ پھر عرصہ قلیل میں قصبہ اجودھن میں مراجعت کر کے ملتان کی رخصت طلب کی اور یہ عرض کی کہ راستہ پُر خطر ہے۔ دعا کا امیدوار ہوں۔ شیخ فریدالدین گنج شکر نے ارشاد کیا یہاں سے فلاں تالاب تک میرا علاقہ ہے۔ بعد اس کے شیخ بہاؤالدین ذکریا سے تعلق رکھتا ہے۔ عبداللہ قوال زمین خدمت کو بوسہ دے کر روانہ ہوا۔ جب اس تالاب کے قریب پہنچا تو ایک جماعت رہزنوں کی مع شمشیر ہائے برہنہ کے نمودار ہوئی۔ عبداللہ قوال کو حضرت شیخ فریدالدین رح مسعود گنج شکر کا کلام یاد آیا اور بہ آواز بلند پکارا یا شیخ بہاؤالدین ذکریا مدد فرمائیے! یہ کہتے ہی رہزن غائب ہو گئے۔ جس روز عبداللہ قوال ملتان میں پہنچ کر قدمبوسی سے شرف یاب ہوا جامہ سرخ سقرلاطی پہنے ہوئے تھا۔ شیخ نے فرمایا گلیم سرخ شیطان کا لباس ہے۔ کیوں پہنا ہے؟ عبداللہ قوال کو یہ قول ناگوار خاطر ہوا اور کلام بے ادبانہ زبان پر لایا کہ لوگوں کے پاس خزانے نامحصور موجود ہیں اُن پر نظر نہیں کرتے پرانے کمبل کو جس کی قیمت نیم تنگہ سے بھی کم ہے معیوب سمجھتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اے عبداللہ ہوش میں آ اور وہ اضطراب کہ چوروں کے سبب تالاب پر رکھتا تھا یاد کر۔ عبداللہ قوال یہ کلام صدق انجام سُن کر استغفراللہ کہتا ہوا شیخ کے قدم مبارک پر گرا۔

شیخ نظام الدین اولیا مولانا صدرالدین عارف سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مولانا نجم الدین سنائی کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آج کل کیا شغل رہتا ہے؟ میں نے عرض کی کہ تفسیر کشاف اور ایجاز اور عمدہ کا مطالعہ

کرتا ہوں، مولانا نجم الدینؒ نے فرمایا کہ کشاف اور ایجاز کو جلا دے اور عمدہ کا شاغل

رہ۔ جب مولانا صدر الدینؒ عارف مولانا نجم الدینؒ کی خدمت سے رخصت ہوئے

تو شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا کی حضوری میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بے کم وکاست عرض

کرکے کہا کہ مولانا نجم الدینؒ نے یوں فرمایا ہے۔ شیخ نے کہا ہاں یونہی ہے

اور بظاہر سبب اس کا جیسا کہ شیخ صدر الدینؒ عارف کی داستان میں مرقوم

ہوا یہ تھا۔ کہ کشاف اور ایجاز کے منع کرنے کا سبب اس کے سوا معلوم نہیں

ہوتا ہے کہ شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا نے واقعہ میں دیکھا ہوگا۔ کہ کشاف کا مصنف

اہل دوزخ سے ہے اور ایجاز کے بارے میں بھی اسی قبیل سے کچھ ہوگا۔ الغرض

چونکہ اس کا سبب معلوم نہ تھا مولانا صدر الدینؒ کو یہ بات شاق گذری اور رات کو

پھر ان تینوں کتب کے مطالعے میں مشغول ہوئے۔ جب خواب نے غلبہ کیا تو عمدہ

کو دونوں کتابوں پر رکھ کر سو رہے۔ شعلۂ چراغ سے کشاف اور ایجاز دونوں ملکر

کر خاکستر ہوئیں اور عمدہ آگ کی آفت سے محفوظ اور سلامت رہی۔

مولانا حسام الدینؒ حاجی سے کہ شیخ نظام الدینؒ اولیاء کے

مرید تھے منقول ہے کہ خواجہ کمال الدینؒ مسعود شیروانی جو شیخ بہاء الدینؒ

کے مخلصوں سے تھے اور نہایت متمول تھے اکثر جواہر کی سوداگری کرتے تھے

ایک وقت جزیرہ ہرمز سے بندر عدن کی عزیمت میں جہاز پر سوار ہوئے

ناگاہ بادِ مخالف پیدا ہوئی، جہاز کا مستول ٹوٹ گیا اور قریب تھا کہ جہاز غرق

ہو جائے خواجہ کمال الدینؒ مسعود شیروانی نے بہ تحریر تمام شیخ بہاالدین ذکریا

سے توجہ کی اور مدد کے طلبگار ہوئے۔ اسی وقت شیخ نے جہاز میں حاضر ہو کر اہل جہاز

کو نجات کی بشارت دی اور غائب ہو گئے۔ حکم خدا سے باد مخالف ساکن ہوئی جہاز بندر عدن میں سلامت پہنچا اور تمام سوداگروں نے از روئے صدق و اخلاص اپنا ثلث مال خواجہ کمال الدینؒ مسعود شیروانی کے سپرد کیا کہ شیخ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ خواجہ نے وہ مال سے کر نصف جواہر اپنے بھی شیخ کے واسطے علٰحدہ کر کے خواجہ فخر الدینؒ گیلانی کے ہاتھ کہ مرد معتبر صادق تھے ملتان کی طرف بھیجا۔ خواجہ فخر الدینؒ گیلانی جب آپ کی ملازمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو اسی لباس و صورت سے کہ جہاز پر مشاہدہ کیا تھا دیکھ کر زیادہ تر معتقد ہوئے اور مال و جواہر کے قریب ستر لاکھ تنکہ تھا پیشکش کی حضرت نے وہ مال تین روز کے عرصے میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ خواجہ فخر الدینؒ گیلانی نے یہ حال مشاہدہ کر کے حد سے زیادہ اعتقاد بہم پہنچایا اور اپنا تمام مال شیخ کی نذر کر کے حضرت کے مریدوں میں داخل ہوئے اور بعد عرصۂ قلیل واصلان حق سے ہو کر خرقہ خلافت پایا۔ انہوں نے تقریباً پانچ سال شیخ کی خدمت میں بسر کئے۔ آخر رخصت لے کر مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور بندر جدہ مبارک میں پہنچ کر رحمت حق میں واصل ہوئے اور اسی مقام میں مدفون ہوئے۔ آج تک اکثر لوگ وہاں نذر لے جاتے ہیں اور ان کی روح پر فتوح سے استعانت چاہتے ہیں۔

شیخ نصیر الدینؒ اودھی المعروف بہ چراغ دہلی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی کی خدمت سے رخصت ہوئے تھے اثنائے راہ میں ایک روز ایک مسجد میں نزول کیا، اس

مقام میں ایک جماعت قلندران جوالق پوش کہ لباس سید جمال مجرد کا ہے فروکش تھی۔ جب رات کے وقت شیخ عبادت سے فارغ ہوئے تو بعد مراقبہ شیخ کی نظر ایک قلندر پر پڑی کہ نور اس کا سپہر اعلیٰ کی طرف ساطع تھا۔ شیخ تعجب کر کے آہستہ سے اُس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے مردِ خدا اس قوم کے درمیان کیا کرتا ہے؟ اُس نے جواب دیا اے شیخ آگاہ ہو ہر قوم میں ایک خاص ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ اس قوم کو اسی کی وجہ سے بخشتا ہے۔ وہ سید عالی نسب اور عالم و فاضل اور مجذوب تھے اسم مبارک اُن کا عبدالقدوس اور موصل کے فرزند تھے اور رباط میں سید جمال الدینؒ مجرد کی قبر پر لباس قلندرانہ پہنا تھا۔ چنانچہ شیخ نے انہیں لباس قلندری سے برآوردہ کر کے عالم جذبہ سے عالم سلوک کی طرف پہنچایا۔ مقبرہ اُن کا قصبہ ناہن میں ہے جو یزد اور اصفہان کے مابین واقع ہے۔ سید جمال الدینؒ مجرد ساوجی تھے اور ایک مدت مصر میں مفتی رہے، جو مشکل لوگوں کو مسائل میں پیش آتی تھی۔ سید جمالؒ بغیر کتاب دیکھے جواب دیتے تھے چنانچہ مصر کی خلقت انہیں کتاب خانہ رواں کہتی تھی، کہتے ہیں کہ آخر کار انہیں جذبہ اور ایسی حالت پیدا ہوئی کہ ریش و ابرو ترشوا کر رباط میں جو مصر سے سات یا آٹھ منزل ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت سے اس عہد تک ویران تھا جا کر بے ہوش ہوئے اور بعد چند روز کے کچھ ہوش میں آکر مبہوت دار بیٹھے رہے اور روزہ نماز نہ کرتے تھے۔ علمائے مصر وہاں جا کر انہیں ملحد اور رافضی کہنے لگے اور انکار گرم کر کے جب ان کے حلق میں ڈالا تو ان کو کچھ صدمہ نہ پہنچا اور ان کی ایذا رسانی سے دست کش ہو کر معتقد

ہوئے۔ لیکن قول صحیح یہ ہے کہ سید جمالؒ مجرد صفت حسن و جمال سے بھی موصوف تھے۔ چنانچہ مصری انہیں یوسف ثانی کہتے تھے، اور جس طرح زلیخا یوسفؑ پر عاشق ہوئی تھی۔ اسی طرح ایک عورت امرائے مصر سے سید جمالؒ مجرد پر فریفتہ ہوئی اور آپ اس سے تنگ آ کر مصر سے سرزمین دمیاط کی طرف بھاگ گئے وہ عورت فرطِ تعشق سے بیتاب ہو کر اُن کے پیچھے روانہ ہوئی۔ جب یہ خبر سید جمال مجرد کو پہنچی مضطرب ہو کر دستِ دعا درگاہِ قاضی الحاجات میں بلند کئے اور اپنے زوالِ حسن کی استدعا کی۔ آپ کی دعا شرفِ اجابت سے مقرون ہوئی اور موئے ریش و بروت و ابرو تمام گر گئے عورت نے جب انہیں اس ہیئت سے دیکھا رو گرداں ہو کر مصر میں واپس گئی اور سید اس بلائے ناگہانی سے نجات پا کر اس مقام میں ساکن ہوئے، چنانچہ مقبرہ اُن کا وہیں ہے قلندروں کی جماعت وہاں رہتی ہے اور ہنگامہ بپا رکھتی ہے۔

روایت ہے ایک رات شیخ بہاؤالدینؒ زکریا اپنے خلفاء کے درمیان بیٹھے تھے اُن سے خطاب کیا کہ تم میں کون ایسا شخص ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرے اور ایک رکعت میں تمام قرآن مجید پڑھے؟ سب خاموش ہوئے۔ شیخ نے دوگانے میں قیام کیا اول رکعت میں ختم کلام اللہ کیا اور دوسری رکعت میں چار پارہ پڑھ کر جلسہ کے بعد سلام کہا اور بارہا فرماتے تھے کہ جو کچھ تمام اہلِ حال کو میسر ہوا توفیق ایزدی سے مجھے میسر ہوا۔ مگر ایک چیز نصیب نہ ہوئی وہ یہ کہ ایک بزرگ آغازِ صبح سے طلوعِ آفتاب تک ختم قرآن کرتے تھے اور میں ہر چند کوشش کرتا ہوں یہ دولت میسر نہیں ہوئی تین چار پارے

رہ ہی جاتے ہیں۔

منقول ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ جس مرید کو قبول کرتے تھے اس کو فرماتے تھے کہ ہر دری دوسری نہ ہونا چاہئے ایک دروازے پر محکم بیٹھنا چاہئے تاکہ گوہر مقصود دستیاب ہو۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے اس کے حال پر توجہ نہ فرمائی اور اس کے لئے ما حضر طلب نہ کیا۔ مسافر نے کہا حدیث میں وارد ہے من زار حیا ولم یذقه شیأً فقد زار میتاً، شیخ نے فرمایا خلق کی دو قسم ہیں، عوام اور خواص۔ مجھے عوام کے ساتھ کچھ کام نہیں ہے اور اُن کی زیارت اعتبار نہیں رکھتی، اور خواص بقدر حال مجھ سے فیض پاتے ہیں۔

نقل ہے کہ شیخ کے مریدوں میں سے شیخ بدر سجستانیؒ تھے جو لاہور میں رہتے تھے ایک روز کہ وہ یوم عید تھا عید گاہ میں نماز پڑھنے جاتے تھے، انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی بار خدایا ہر غلام اپنے مالک سے عیدی مانگتا ہے اور میں بھی تجھ سے مانگتا ہوں، تو خزانۂ غیب سے مجھے عیدی عنایت کر۔ جب یہ دعا ختم ہوئی تو ایک حریر کا ٹکڑا بخط سبز آسمان سے نازل ہوا۔ اس پر تحریر تھا کہ ہم نے آتش دوزخ تجھ پر حرام کی اور اس کی حرارت کی مشقت سے آزاد کیا۔ عید گاہ کے تمام حاضرین نے شیخ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور ایک شخص نے اُن میں سے یہ عرض کی اے شیخ تو نے اپنی عیدی پائی۔ اب مناسب ہے کہ مجھے بھی عیدی سے سرفراز فرما۔ شیخ سجستانیؒ نے جب یہ سنا فوراً حریر کا ٹکڑا بغل سے نکال کر اسے بخشا۔ اور

فرمایا کہ یہ عیدی تجھے مبارک ہو قیامت کے دن میں جالوں اور آتش دوزخ

شیخ نظام الدین اولیا سے نقل ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا نے آخر میں بخلاف ابتدار کے روزہ دائمی اور بھوک کی ریاضت برطرف کی چنانچہ اُن کے باورچی خانے میں قسم قسم کا طعام لذیذ پکتا تھا۔ آپ ہر مسافر اور مہمان کے ساتھ بمقتضائے کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً طعام ہائے لذیذ تناول فرماتے تھے، اور جس شخص کو دیکھتے تھے کہ خدا کی نعمت بہ رغبت تمام کھاتا ہے خوش حال ہوتے تھے۔ الغرض ایک دن دسترخوان اُن کے سامنے بچھا تھا، جب اس درمیان میں درویشوں کے ساتھ ہم کاسہ ہوئے تو ایک درویش کو دیکھا کہ وہ روٹی شوربے میں ریزہ ریزہ کر کے کھاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا بہترین طعام یہ مرد کھاتا ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فضیلت طعام ثرید اور طعاموں پر مثل میری فضیلت کے ہے اور انبیاء پر ہے۔

روایت ہے کہ شیخ کا ایک مرید ولایت لاہور کے کسی دہ میں رہتا تھا اس قریہ کے قریب ساحل دریا تھا اور وہ غلہ جو کہ بسر اوقات کرتا تھا، ایک وقت وہاں کے تحصیلدار نے اس کی زراعت کی جریب سے پیمائش کی اور یہ بات کہی کہ کرامات دکھاؤ یا زرلگان امسال اور سنوات گذشتہ کا بیباق کر دو۔ مرید نے ہر چند عذر کیا کہ اسے معاف کر۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ درویش نے ایک لحظہ تامل کیا اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ منظور ہے۔ کہ آپ اس پانی پر قدم رکھ کر اس پار عبور کریں۔ یا اتنے

سال کا لنگان بیباق فرمائیں۔ آخر کو درویش نے شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ سے ہمت چاہی اور بسم اللہ کہہ کر پانی پر قدم رکھا، اور جس طرح انسان زمین پر چلتا ہے دریا سے عبور کیا اور اس پار پہنچکر تجدید وضو کر کے دوگانہ شکر بجالائے اور پھر اپنی سواری کے لیے کشتی طلب کی۔ لوگوں نے کہا جس طریقے سے آپ تشریف لے گئے تھے اسی نہج سے چلے جائیں۔ فرمایا ڈرتا ہوں کہ نفس خوش ہو کر عجب و نخوت پیدا نہ کرے۔ پھر لوگ کشتی لے گئے اور شیخ نے سوار ہو کر مراجعت کی۔

شیخ نظام الدینؒ اولیا سے نقل ہے کہ ایک دن شیخ بہاؤالدین زکریاؒ عین مشغولی میں بآواز بلند نعرہ زن ہوئے کہ "شیخ سعدالدین حموی نے دار دنیا سے رحلت کی" اور حقیقت میں ویسا ہی ہوا تھا۔

منقول ہے کہ جب مولانا قطب الدینؒ کاشانی ماوراءالنہر سے ملتان میں تشریف لائے شاہ ناصرالدین قباچہ والی ملتان نے محلسرا یا مدرسہ اُن کے واسطے تعمیر کیا اور مولانا کہ علامہ زمان تھے نماز فجر اس مدرسے میں ادا کر کے درس میں مشغول ہوتے تھے اور شیخ بہاؤالدینؒ زکریا۔ کہ اُن کا ابتدائے حال تھا ہر روز صبح کی نماز کے وقت وہاں حاضر ہوتے تھے اور فجر کی نماز مولانا کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ایک دن مولانا نے پوچھا کہ تم کیونکر یہ تمام راستہ طے کر کے ساتھ میرے اقتدا کرتے ہو؟ شیخ نے کہا میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ من صلی خلف عالم فکانما صلی خلف نبی مرسل۔ مولانا ساکت ہو گئے۔ دوسرے دن جب شیخ صبح کے وقت اپنی عادت کے موافق حاضر ہوئے

تو مولانا ایک رکعت نماز ادا کر چکے تھے۔ چنانچہ شیخ دوسری رکعت میں شریک ہوئے۔ جب مولانا تشہد میں بیٹھے شیخ نے سلام پھیرنے سے پہلے ایستادہ ہو کر اپنی دوسری رکعت شروع کر کے نماز تمام کی۔ مولانا نے کہا تم کیوں امام کے سلام سے پیشتر برخاست ہوئے ہو، شاید کہ امام کو سہو واقع ہوا ہو۔ اور وہ سجدہ سہو بجالانا چاہتا ہو۔ لیکن جو مقتدی سلام سے پیشتر اُٹھے وہ سجدہ سہو نہیں کر سکتا۔ شیخ نے کہا کہ اگر کسی کو نورِ باطن سے معلوم ہو کہ امام کو کچھ سہو واقع نہیں ہوا ہے اس کا کام اُٹھا دینا ہوگا۔ مولانا نے کہا کہ جو نور شریعت کے احکام کے موافق نہیں ہے وہ ظلمت ہے۔ شیخ نے جب یہ بات سنی پھر نماز کو حاضر ہوئے۔

منقول ہے اُنہی دنوں ایک عزیز نے مولانا قطب الدینؒ سے کہا کہ آپ کیوں درویشوں کی نسبت اعتقاد نہیں رکھتے ہیں؟ فرمایا اس سبب سے کہ میں نے ایک درویش ایسا دیکھا ہے کہ مثل اس کا نہیں پایا۔ القصہ کاشغر میں میرے قلم تراش کا دُنبالہ ٹوٹ گیا، میں نے بازار میں سے جا کر لوہاروں کو دکھایا کہ اس قلم تراش کو بدستورِ سابق تیار کر دو، سب نے جواب دیا کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ حالتِ اصلی سے ضرور کچھ کم ہو جائے گا۔ اُن میں سے ایک لوہار نے کہا کہ فلاں محلے میں ایک کاریگر نہایت پرہیزگار اور متقی ہے شاید وہ اسے درست کر دے۔ جب میں اُس کی دکان پر پہنچا ایک پیر مرد کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے میں نے قلم تراش کا قصہ اس سے بیان کیا۔ اُس نے قلم تراش میرے ہاتھ سے لے کر فرمایا کہ ایک لحظہ آنکھ بند کر! میں نے اُس کے کہنے کے مطابق عمل کیا

اور انکھیوں سے دیکھا کہ قلمتراش اپنے ہونٹوں کے قریب لے گیا اور اس پر دعا پڑھ کر دم کیا اور میرے حوالے کیا۔ میں نے دیکھا تو سابق سے بھی اسے بہتر اور محکم تر پایا۔ اس وقت میں نے اس کے قدم پر سر رکھا اور قدرے زر پیش کیا۔ حضرت نے قبول نہ کیا۔ جب میں نے بہت خوشامد اور الحاح کی تو فرمایا تیرا قلمتراش درست ہوا اس سے زیادہ مجھے تکلیف نہ دے۔ مولانا نے جب یہ حکایت تمام کی اس عزیز نے کہا۔ اے مخدوم وہ قلمتراش درست کرنے والا شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مریدوں سے ہے۔ شیخ کی برکت تربیت و فیض سے اس مرتبے کو پہنچا ہے۔ مولانا قطب الدین متعجب ہوئے اور اس گفتگو سے جو نماز کے بارے میں شیخ سے کی تھی پشیمان ہوئے، کچھ دنوں کے بعد دہلی میں گئے اور وہیں اُن کا زمانہ حیات تمام ہوا۔

شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرے میں مشغول بہ عبادت تھے ناگاہ ایک شخص نورانی پیدا ہوا کہ نامہ سربمہر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے وہ نامہ شیخ صدر الدین عارف شیخ کے بڑے بیٹے کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ تم یہ خط جلد اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچا دو! شیخ صدر الدین سرنامہ دیکھ کر متحیر ہوئے اور حجرے میں جا کر وہ نامہ اپنے والد بزرگوار کو دے کر برآمد ہوئے تو اس شخص کو جو نامہ لایا تھا نہ دیکھا۔ شیخ نامہ پڑھ کر طرفۃ العین میں جان بحق ہوئے، حجرے کے چاروں گوشوں سے یہ آواز برآمد ہوئی۔ کہ دوست بہ دوست رسید جب یہ سانحہ ہوش ربا صدر الدین عارف کے سمع مبارک میں پہنچا فوراً حجرے میں جا کر اپنے والد کو دیکھا کہ ملفوف و خاک سے

معمورۂ پاک کی طرف رحلت فرما گئے ہیں۔ یہ واقعہ ۱۷ صفر ۶۶۴ھ میں واقع ہوا۔

شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ سعید الدینؒ حموی اور شیخ سیف الدینؒ خضری اور شیخ بہاؤ الدینؒ زکریا اور شیخ فرید الدینؒ گنج شکر ایک ہی عہد میں ہوئے ہیں۔ اول شیخ سعید الدینؒ حموی نے اس دار ناپائیدار سے رحلت کی اور اس کے تین ماہ بعد شیخ سیف الدینؒ خضری روضۂ رضوان کی طرف خراماں ہوئے اور اس کے تین سال بعد شیخ بہاؤ الدینؒ زکریا نے وفات پائی۔ جب تین برس کا اور عرصہ گذرا تو شیخ فرید الدینؒ مسعود گنج شکر نے عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ اجمعین ؛

حضرت شیخ صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ

آن گوہر معدن حق الیقین
تازہ ز آب کرمش باغ دین
دادہ ز پاکی بملائک صفا
خرقۂ وحدت بخلا و ملا
طبۂ امواج دل پاک او
عقل فرو ماندہ در ادراک او
صدر نشین گشت بعرشش برین
گشتہ خطابش ز خدا صدر دین

آپ کو عارف اس لئے کہتے ہیں کہ ہر بار جب کلام اللہ ختم کرتے تھے تو سمند فکر کو زیادہ تر گرم عنان فرماتے تھے اور جس وقت تلاوت میں

مشغول ہوتے تھے انہیں فوج فوج معانی کا سامنا ہوتا تھا اور وہ جناب ہمت عالی رکھتے تھے کہ مال دنیوی سے کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے جب آپ کے والد شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے آفتاب حیات نے مغرب ممات کی طرف رجعت کی تو شیخ صدرالدین عارفؒ کے سوا آنحضرت کے چھ فرزند اور دوسری بی بی سے تھے۔ چنانچہ حسب شریعت غرا کے موافق متروکات تقسیم ہوئے تو اسباب اجناس کے علاوہ ستر لاکھ روپیہ نقد شیخ صدرالدین عارفؒ کو میراث پہونچا۔ انہوں نے وہ تمام نقد و جنس اول روز فقراء پر تقسیم کر کے ایک درم و دینار باقی نہ رکھا۔ بعد ازاں ایک شخص نے آنحضرت سے یہ عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اس قدر نقد و جنس خزانہ میں نگاہ رکھتے تھے اور یہ آہستگی تمام اسے فقراء پر صرف کرتے تھے آپ کو انہی کی روش پر عمل کرنا چاہیے تھا، جواب دیا کہ میرے والد ماجد چونکہ دنیا پر غالب مطلق ہو گئے تھے اسباب دنیوی کے جمع ہونے سے خوف نہ رکھتے تھے اور بتدریج تمام فقراء پر تقسیم کرتے تھے، اور میں بھی اگرچہ اکثر اوقات غالب ہوں لیکن کبھی کبھی اپنی طبیعت کو مسادی پاتا ہوں لہٰذا اس کے جمع ہونے سے اندیشہ کرتا ہوں کہ مبادا مال دنیوی مجھے فریب دے اس لئے میں اسے اپنے پاس سے دور کرتا ہوں اور اپنے پاس نہیں رکھتا ہوں۔

شیخ صدرالدین عارفؒ بہت مرید صاحب جمال رکھتے تھے۔ مثل جمالؒ خنداں اور شیخ احمدؒ معشوق اور مولانا علاؤالدینؒ خجندی اور حضرت کے فرزند ارجمند شیخ رکن الدینؒ ابوالفتح، اور یہ جو لوگوں کی زبانی نقل ہے

شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا نے رحلت کے وقت شیخ صدرالدینؒ عارف کو وصیت فرمائی کہ شہر اوچ میں ایک درویش نہایت کامل وفاضل ہیں اور انہوں نے اب تک کسی درویش سے پیوند نہیں کیا اور تمہارے خانوادہ سے انہیں ایک نسبت وافر ہے، اگرچہ وہ میرے پاس نہ آئے لیکن میرے بعد تمہارے پاس آئیں گے اب تک انہیں جذبہ نے مغلوب کیا ہوا ہے جس وقت وہ تمہارے پاس آئیں پہلے دن ان سے ملاقات نہ کرنا اور تین دن انہیں خلوت میں بٹھانا اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول کرنا اور جب وہ جذبہ کے غلبہ سے فرق میں آئیں تو انہیں اپنے روبرو ملانا اور جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمرؒ سہروردی کے خرقہ کے سوا نصف انہیں دینا۔ ظاہراً یہ نقل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ یہ بات میزان درویشی کے پایہ میں نہیں سماتی ہے اور فقیر نے کسی کتاب میں صریحاً نہیں دیکھا ہے کہ وہ مجذوب کون تھے اور انجام ان کا کیا ہوا!

کتاب فوائدالفواد میں مرقوم ہے کہ شیخ صدرالدینؒ عارف نے ابتدائے حال میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں علم نحو کے استحکام کے لیے کتاب مفصل جو صاحب کشاف کی تصنیف سے پڑھوں؟ شیخ نے فرمایا کہ صبر کر تاکہ آج شب کو مصنف کا حال دریافت کر دوں۔ چنانچہ اسی شب خواب میں دیکھا کہ صاحب کشاف کو زنجیر اور طوق میں مسلسل ومطوق کرکے دوزخ کی طرف لئے جاتے ہیں۔ اپنے نور جبین کو اس واقعہ سے آگاہی دی۔ شیخ صدرالدینؒ عارف نے جب یہ بات سنی تو اس کتاب کے پڑھنے کا

ارادہ فسخ کیا۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کشاف جو مذہب معتزلہ رکھتا تھا اس سبب سے عذاب میں مبتلا تھا۔

مولانا امام الدینؒ مبارک ملتانی استاد شیخ ابا بکرؒ زندہ پوش سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ صدرالدین عارفؒ دریا کے کنارے جو ملتان سے بفاصلہ ایک فرسخ واقع ہے وضو کرتے تھے اور اُن کا بیٹا شیخ رکن الدینؒ ابوالفتح کہ سات برس کی عمر رکھتا تھا ہمراہ تھا کہ ناگاہ ایک طرف سے ایک غول ہرن کا پیدا ہوا اور ایک بچہ ہرنی کا اس کے درمیان میں تھا۔ شیخ رکن الدینؒ طفولیت کے سبب آہو برہ کی طرف راغب ہو کر اس کے خیال میں مشغول رہے جب غول نظر سے غائب ہوا اور شیخ صدرالدین عارفؒ نے وضو سے فارغ ہو کر دوگانہ ادا کیا تو اپنے فرزند کو بلایا کہ قرآن شریف کا ربع پارہ سبق دے کر یاد کرائیں۔ وہ سعادت مند مصحف مجید کھول کر سبق پڑھنے میں مشغول ہوا۔ عادت اس صاحبزادے کی یہ تھی کہ تین مرتبہ پڑھ کر چوتھائی پارہ حفظ کر لیتا تھا لیکن اس روز دس مرتبہ پڑھا یاد نہ ہوا شیخ صدرالدینؒ نے صورت حال پوچھی بعض حاضرین نے جواب دیا کہ ایک غول ہرن کا اس طرف سے گذرا تھا اور اس کے درمیان ایک ہرن کا بچہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مخدوم زادہ کو اس کی طرف میل ہوا۔ شیخ نے ایک لحظہ تامل کیا کہ آیا وہ غول ہرن کا کس طرف گیا ہے شیخ رکن الدینؒ نے فی الفور عرض کی کہ بابا فلاں طرف گیا ہے۔ شیخ نے ایک لحظہ اس طرف توجہ کی ناگاہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنا بچہ ساتھ لئے ہوئے چلی آتی ہے جب قریب پہونچی شیخ رکن الدینؒ نے دوڑ کر ہرن کے بچہ کو گود میں لیا اور

سر اور آنکھوں کو چوم کر پستان مادر اس کے دہن میں چھوڑے تاکہ دودھ پیئے اس کے بعد مخدوم زادہ نے دوپہر میں کلام اللہ کا ایک پارہ حفظ کیا اور اس ہرنی کو مع بچہ کے اپنی خانقاہ میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ مدت مدید تک وہاں رہی۔

نقل ہے کہ بادشاہ غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو جو خان شہید کے نام سے مشہور ہوا چتر اور دور باش دے کر ملتان کی طرف بھیجا اور وہ شیخ کی ملاقات کر کے ممالک کے انتظام میں مشغول ہوا۔ اس کی منکوحہ جو بادشاہ رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمش کی دختر تھی اور زیور عفت و عصمت سے آراستہ تھی۔ اس کی کثرت شراب نوشی سے ہمیشہ محزون و مغموم رہتی تھی۔ ناگاہ محمد سلطان خاں نے حسب اتفاق اس عفیفہ سے رنجش بہم پہنچا کر تین طلاق دے کر مطلقہ کیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کی مفارقت سے کیونکہ وہ حسن وافر رکھتی تھی بے تاب ہو کر شہر کے عالموں کو طلب کیا اور ان سے مسئلہ پوچھا۔ سب نے عرض کی کہ جب تک اس عورت مطلقہ کو کسی دوسرے کی رفاقت واقع نہ ہو رجوع درست نہیں ہے۔ محمد سلطان خاں شہید کہ شاہزادہ تنک مزاج تھا نہایت آشفتہ ہو کر مسند سے اٹھا اور خلوت میں جا کر قاضی امیر الدین خوارزمی سے جو شاہزادہ کے محرم و ہمدم تھے یہ بات کہی کہ اگر اس عورت کو اپنی خدمت میں لاتا ہوں تو دوزخ کے عذاب اور باپ کے عذاب کا خوف ہے اور جو اسے علٰحدہ رکھتا ہوں تو اپنے میں تاب دوری نہیں پاتا۔ قاضی امیر الدین نے کہا کہ اگر امان ہو تو عرض کروں خان شہید نے امان دی تو قاضی نے فرمایا کہ آپ ایک کام کیجئے! اس مقام میں شیخ صدر الدین عارف

پاک ذات اور فرشتہ صفات ہیں اِس عورت کو خلق سے پوشیدہ ان کے
نکاح میں لے آئیں اور پھر آنحضرت سے طلاق لے کر جدا کریں تاکہ مباح
ہو جائے۔ محمد سلطان خان شہید نے حسب ضرورت اجازت دے دی۔ قاضی
صاحب نے خلق سے پوشیدہ اس مستورہ کو شیخ صدرالدین عارفؒ کے
عقد ازدواج میں لا کر اُن کے سپرد کیا اور دوسرے دن اس عفیفہ کے
طلاق دینے کی تکلیف دی۔ وہ عفیفہ یہ خبر سُن کر شیخ کے قدم پر گر پڑی
اور عرض کی کہ اگر آپ مجھے پھر اس ظالم فاسق کے سپرد فرمائیں گے تو میں
قیامت کے دن آپ کی دامنگیر ہوں گی۔ شیخ کو اس کی عجز و زاری پر رحم آیا اور
طلاق دینے سے انکار کیا۔ قاضی یہ خبر سُن کر ایسے بدحواس اور مضطرب
ہوئے کہ قریب تھا کہ اُن کا مرغِ روح قالب سے پھڑک کر نکل جائے
غرضکہ ظہر کے وقت بہزار دقت اپنے تئیں محمد سلطان خان شہید کی ملازمت
میں پہونچایا، خان شہید ان کے تحیر و تغیر سے اصل مطلب سمجھ گیا اور طیش میں
آ کر تلوار غلاف سے نکالی، چاہا کہ قاضی کو بار ہستی سے سبکبار کر دے پھر ہوش
میں آ کر یہ بات کہی کہ تیری خونریزی بے فائدہ ہے اگر میں کل شیخ صدرالدینؒ
کے خون سے اِس کے بساط خانہ کو رنگین نہ کر دوں تو اس عورت سے جو
اس کے گھر میں ہے کمتر ہوں، پھر حکم دیا کہ تمام شہر میں منادی کر دو کہ کل علی الصباح
تمام سپاہ دربار میں حاضر ہو، اس دن اس نے وفورِ رنج سے کھانا بھی نہ کھایا
ملتان میں آثارِ قیامت ظاہر ہوئے۔ لیکن شیخ اپنے ارادہ پر ثابت و راسخ
تھے کسی قسم کا تغیر اُن کے حال میں نہ آیا۔ ناگاہ عصر کے بعد یہ خبر آئی کہ بیس ہزار

مغل جرار و خونخوار ملتان کے نواح میں لعزم رزم داخل ہوئے ہیں محمد سلطان خان شہید نے کہ اپنے تئیں رستم دستاں تصور کرتا تھا حکم دیا کہ تمام فوج صبح کو مسلح و مکمل ہوکر آئے۔ تاکہ پہلے مغلوں کی جماعت کو درہم برہم کردوں اس کے بعد شیخ کے خون سے بساطِ زمین رنگین کرکے اپنے دل کا کینہ نکالونگا خلاصہ یہ کہ دوسرے دن محمد سلطان خاں شہید چاشت کے وقت مع فوج کے شہر سے برآمد ہوا اور دوپہر کو لشکر غنیم سے لڑا اور حملہ ہائے مردانہ سے دشمن کے صفوف کو متفرق و پریشان کیا، ظہر کے وقت ادائے نماز کے لئے ایک تالاب پر وارد ہو کر نماز میں قیام فرمایا اس وقت پانسو سوار اس کے ہمراہ تھے اور باقی سپاہ غنیم کے تعاقب اور غنیمت میں مصروف تھی، اس درمیان میں ایک مغلوں کا افسر کہ دو ہزار سوار سے ایک باغ میں ایستادہ تھا اور اسے حملہ کی فرصت نہ ملی تھی۔ مغلوں کی شکست کی خبر سن کر بقصد فرار روانہ ہوا۔ جب اُس کا گذر اس تالاب پر ہوا تو محمد سلطان خاں شہید کو بجماعت قلیل دیکھ کر شیر گرسنہ کی طرح اس پر حملہ آور ہوا اور خان شہید کو مع تمام آدمیوں کے قتل کرکے نکل گیا۔ بیت

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

پھر وہ مستورہ بفراغتِ تمام شیخ کے مکان میں رہی اور آنحضرت کی برکتِ صحبت سے واصلانِ حق سے ہوئی۔

شیخ رکن الدین فردوسی سے کہ جو شیخ نجم الدینؒ کے پیر ہیں اور وہ

پیر شیخ شرف الدینؒ یحییٰ منیری کے ہیں منقول ہے کہ میں نے ان دنوں خراسان سے ہندوستان کی عزیمت کی اور جب ملتان میں پہنچا تو شیخ صدرالدینؒ کی ملاقات کو ایام بیض میں گیا اور میں روزہ رکھتا تھا۔ شیخ نے کھانا طلب کیا۔ اس کے مائدہ پر جو بادشاہوں کے دسترخوان کے مانند تھا بہت لوگ حاضر ہوئے اور میں درویشوں سے زیادہ شیخ کے قریب تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت کے روبرو ایک طباق مزعفر بھرا ہوا اور ایک حلوائے صابونی سے لبریز رکھا تھا۔ شیخ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا درویشو بسم اللہ میں اگرچہ صائم تھا لیکن بحکم "اکل مع المغفور فہو المغفور" اپنے تئیں اس سعادت سے محروم نہ کر سکا اور بسم اللہ کہہ کر اکل طعام میں مشغول ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ برغبت تمام طعام تناول فرماتے ہیں اور ہر ایک کو ان نعمتوں کے کھانے کے واسطے اشارہ کرتے ہیں، میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ اگرچہ تو نے صوم البیض کے افطار میں مراعاتِ میزبان کی لیکن قلیل غذا پر کفایت کرنا بہتر ہے۔ غرض کہ جب یہ امر میرے دل میں گذرا شیخ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جس شخص سے ممکن ہو کہ وہ حرارتِ باطن سے طعام کو نورانی کر سکے اسے قلتِ غذا کا مفید ہونا لازم نہیں ہے۔ بیت

چونکہ لقمہ می شود بر تو گہر
تن مزن ہر چند بتوانی بخور

جب شیخ صدرالدین عارفؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں

نے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی کا خرقہ اور دیگر چیزیں جو شیخ بہاؤالدینؒ زکریا سے انہیں پہونچی ہوئی تھیں۔ اپنے فرزند ارجمند شیخ رکن الدینؒ ابوالفتح کو دے کر اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا اور سنہ ۶۸۴ھ میں قیدِ جسمانی سے وارستہ ہو کر عالم روحانی کی طرف راہی ہوئے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح

جہانِ معرفت سلطانِ معنی
وجودش آئنتی در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور
ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بیباک
بظاہر در شریعت چست و چالاک

آپ ایک عظیم القدر بزرگ تھے اور علوم معقول و منقول سے بہرہ دانی رکھتے تھے۔ اپنے جدّ بزرگوار کے نظر یافتہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی راستی کہ عفت میں اپنے وقت کی رابعہ بصری تھیں ہر روز ایک بار کلام اللہ ختم کرتی تھیں اور اپنے خسر سے ارادتِ صادق رکھتی تھیں

ایک دن اُن کی ملازمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت شیخ رکن الدینؒ ابوالفتح سات مہینے کے ان کے شکم مبارک میں تھے۔ شیخ بہاؤالدینؒ زکریا نے اس روز بخلاف عادت ان کی تعظیم کی اور فرمایا اے بی بی یہ تعظیم اُس شخص کی ہے کہ تو جس کی حاملہ ہے اور یہ قرۃ عین ہمارے خاندان اور دودمان کا چراغ ہو گا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ شیخ بہاؤالدینؒ زکریا پلنگ پر رونق افروز تھے اور آپ نے دستار مبارک پلنگ کے پایہ پر رکھی ہوئی تھی۔ شیخ صدرالدینؒ چارپائی کے قریب فرش پر مؤدب بیٹھے تھے اور شیخ ابوالفتحؒ جو ان دنوں چار برس کے تھے، چارپائی کے گرد پھرتے تھے اس اثنا میں انہوں نے ایک بارگی حضرت کی دستار مبارک اٹھا کر زیب سر کی۔ شیخ صدرالدین نے مضطرب ہو کر بآواز بلند فرمایا کہ اے رکن الدینؒ بے ادبی نہ کر اور حضرت کی دستار مبارک اتار کر رکھ دے۔ شیخ بہاؤالدینؒ زکریا نے فرمایا اے صدرالدینؒ عارف تم اسے منع نہ کرو کہ اس نے بسبب استحقاق زیب سر کی ہے اور میں نے یہ دستار اُسے بخشی۔ منقول ہے کہ حضرت نے وہ دستار اسی طور سے لپیٹی ہوئی صندوق میں امانت رکھ لی۔ بروز جلوس سجادہ اس کو سر پر رکھتے تھے اور خرقہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی کا پہنتے تھے۔

آنحضرت کی روش سلطان ابوسعید ابوالخیر کی روش کے موافق تھی، ان کی مجلس میں جس شخص کے دل میں کچھ آتا تھا وہ آنحضرت پر مکشوف ہوتا تھا اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدینؒ بخاری اور شیخ عثمانؒ سیاح کے

مانند جو دہلی میں مدفون ہیں بہت مرید رکھتے تھے۔

شیخ نصیر الدین اودھی المشہور چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جس وقت رکن الدین ابوالفتح دہلی میں تشریف لاتے تھے تو خلق کو آنحضرت کے عطائے ظاہری و باطنی نے پھر روز روز عید اور ہر شب شب قدر ہوتی تھی بادشاہ علاؤالدین خلجی کے عہد میں وہ دو بار دہلی تشریف لائے تھے اور بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے عصر میں تین بار، اور بادشاہ علاؤالدین خلجی باوجود غرور وحشمت آنحضرت کے استقبال کے واسطے سوار ہوتا تھا اور باعزاز تمام ان کو شہر میں لاتا تھا، اور دس لاکھ روپیہ پہلے دن اور پانچ لاکھ روپیہ روز وداع بطریق شکرانہ ارسال کرتا تھا۔ شیخ رکن الدین کے پاس اس دن جس قدر زر شکرانہ آتا تھا فقرا پر تقسیم کرتے تھے ایک درم یا دینار باقی نہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ملتان سے بعشق محبت شیخ نظام الدین اولیا دہلی میں آتا ہوں۔ نقل ہے کہ ایک وقت دونوں بزرگ مسجد کیلوکھری میں جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر ملاقی ہو گئے شیخ رکن الدین ابوالفتح اس وقت شیخ نظام الدین اولیا کی خانقاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ درویشان صاحب حال داخل حاضر تھے۔ مولانا علم الدین عمو زادہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے دل میں خیال گذرا چونکہ قران السعدین واقع ہوا ہے بہتر ہے کہ اس وقت ان بزرگوں کے درمیان نکتہ علمی مذکور ہو۔ فی الفور دونوں بزرگوار دفعتہً زبان پر لائے کہ اے مولانا علم الدین جو کچھ تمہارے دل میں گذرا ہے اُسے زبان پر لاؤ۔ مولانا نے کہا آیا کیا حکمت تھی کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ

کی طرف ہجرت کی ؟

شیخ رکن الدین ابوالفتح نے کہا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ بعض کمالات حضرتؒ کے اس ہجرت پر موقوف تھے اس واسطے حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے تاکہ وہ کمالات حاصل ہوں اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے جواب دیا کہ میرے دل میں آتا ہے کہ بعض ناقصانِ مدینہ کو مکہ معظمہ کے سفر کی قدرت نہ تھی تاکہ حضرت بابرکت میں مشرف ہو کر کسبِ فیوض کریں، حق سبحانہ تعالیٰ نے آنحضرت کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا تاکہ اہلِ نقصان آپ کے یمنِ خدمت سے درجہ کمال کو پہونچیں سبحان اللہ ان دونوں بزرگواروں نے درپردہ ایک دوسرے کی تواضع فرمائی۔

بادشاہ قطب الدینؒ مبارک شاہ کے عہد میں شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ تین مرتبہ دہلی تشریف لائے، اکثر اوقات شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ساتھ صحبت رکھتے تھے اور جب بادشاہ کے دیکھنے کا ارادہ ہوتا تھا اس روز تخت رواں پر سوار ہوتے تھے اور مقام مناسب میں تخت کو ٹھہراتے تھے۔ اہلِ حاجت اپنے عرائض تحریر کر کے تخت پر ڈالتے تھے قطب الدین مبارک شاہ کے دیوان خانہ کے تین دروازے تھے، دو دروازوں سے حضرت تخت رواں پر سوار ہو کر جاتے تھے اور تیسرے دروازہ میں بادشاہ استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب شیخ تخت سے اترتے تھے تو بادشاہ آنحضرت کا ہاتھ پکڑ کے دیوانِ خاص میں لے جاتا تھا اور حضرت کے روبرو ہو کر مودب بیٹھتا تھا اور قدم رنجہ فرمانے کا عذر کرتا تھا۔ اس وقت خادمِ شیخ کے اشارہ کے موافق خلائق کی عرضیاں

بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرتا تھا اور بادشاہ خود پڑھ کر ہر عرضیہ پر مدعی کے حسبِ مدعا بخطِ خاص جواب لکھتا تھا اور ارکان دولت دستخط خاص کے موافق عمل کرتے تھے جب مقدماتِ خلائق کا تصفیہ ہوجاتا تھا تو شیخ اُٹھ کر اپنے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

امیر خسروؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے عرس کے دن حضرت رکن الدین ابوالفتحؒ اور شیخ نظام الدین اولیاؒ دونوں بزرگوار موجود تھے۔ جب قوالوں نے رنگ شروع کیا تو شیخ نظام الدین اولیاؒ حالت وجد و حال میں اُٹھنا چاہتے تھے کہ شیخ رکن الدینؒ ابوالفتحؒ نے اُن کا دامن پکڑلیا، ایک لحظہ کے بعد شیخ دوبارہ وجد میں آکر ایستادہ ہوئے۔ اِس مرتبہ شیخ رکن الدینؒ ابوالفتحؒ مانع نہ ہوئے اور خود بھی مثل اور درویشوں کے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے جب سماع موقوف ہوا ہر شخص اپنے مکان کی طرف راہی ہوا۔ مولانا علم الدینؒ نے شیخ رکن الدینؒ ابوالفتحؒ سے پوچھا۔ کہ منع اوّل اور سکوتِ ثانی کا کیا سبب تھا؟ جواب دیا کہ میں نے اول مرتبہ شیخ نظام الدینؒ اولیا کو عالم الملکوت میں دیکھا تھا میری بھی دسترس اس مقام تک تھا لہٰذا دامنگیر ہوا۔ لیکن دوسری بار انہیں عالمِ جبروت میں دیکھا مجھے معلوم تھا کہ میرا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے گا۔ اِس لئے دست بردار ہوا

نقل ہے کہ شیخ رکن الدینؒ الفتحؒ، شیخ نظام الدینؒ اولیا کی خبر وفات سن کر ملتان سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں پہونچ کر لوازم زیارت بجالائے، چونکہ انہی دنوں بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ بنگالہ سے نواح

دہلی میں پہونچا اس کے فرزند سلطان محمد تغلق شاہ نے اس کا استقبال کیا اور شیخ بھی اس کی پیشوائی کو روانہ ہوئے۔ بادشاہ ضیافت کھانے کے لیے اُس قصر میں جو اس کے فرزند نے افغان پور کے قریب تعمیر کرایا تھا۔ داخل ہوا، چونکہ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ بھی اس قصر میں رونق افزا تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے جو طعام تناول کرنے میں مصروف تھا کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس قصر سے باہر نکل جائیں بادشاہ نے جواب دیا کہ اکل و شرب سے فارغ ہو کر برآمد ہوں گا۔ شیخ نے دوبارہ بادشاہ سے کہا اور جب وہی جواب سنا تو شیخ رکن الدینؒ ابوالفتحؒ اپنے ہاتھ دھو کر قصر سے نکل گئے۔ لوگ بھی یہ حال دیکھ کر شیخ کے پیچھے ہو گئے۔ لیکن بادشاہ مع ایک مخصوص جماعت کے وہیں بیٹھا رہا۔ ابھی شیخ دوسری دہلیز میں نہ پہونچے تھے کہ اس قصر کی چھت گر پڑی اور بادشاہ ہلاک ہو گیا یہ واقعہ دیکھ کر لوگ زیادہ تر شیخ کے معتقد ہوئے اور شیخ عثمان سیاح کا گلشن ارادت از سر نو تازہ ہوا۔

مولانا اسمٰعیل ذاکرؒ سے نقل ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے اپنی وفات سے تین مہینے پیشتر ایک بارگی خلق سے کنارہ کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کبھی حجرہ سے سوائے نماز فرض کے برآمد نہ ہوتے تھے۔ الغرض بتاریخ سولہویں رجب یوم پنجشنبہ بعد نماز عصر مولانا ظہیر الدین محمد کو کہ خادم خاص تھے حجرہ میں طلب کیا اور اپنی تجہیز و تکفین کے بارہ میں وصیت کی۔ چونکہ حضرت کے کوئی فرزند نہ تھا مصلیٰ اور خرقہ اپنے ایک

بھائی کو عطا کیا اور نمازِ مغرب کے وقت امام کو اندر بلا کر نمازِ فرض ادا کی اور سر سجدہ میں رکھ کر امانتِ حیات ربِّ کائنات کے سپرد کی۔ چونکہ مؤلف کتاب ہذا حقیر فقیر محمد قاسم فرشتہ کو یہ حقیقت کسی کتاب سے دریافت نہ ہوئی کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے انتقال کے بعد کون لوگ بطناً بعد بطن سجادہ خلافت پر بیٹھتے آئے لہٰذا اس بیان سے ساکت ہو کر ان کے مشہور مریدوں کے ذکر میں مشغول ہوا۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم۔

سیّد جلال الدین بخاریؒ

آں جناب سیّد صحیح النسب ہیں اور اُن کا نسب امام علی الہادی تک یوں پہونچتا ہے کہ سید جلال الدین بخاری بن سید علی بن جعفرؒ بن محمدؒ بن احمدؒ بن عبداللہؒ بن علی اصغرؒ بن جعفرؒ بن امام الہادیؒ۔

منقول ہے کہ سید جلالؒ بخارا سے ملتان میں آکر شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کی خانقاہ میں وارد ہوئے۔ ان دنوں گرمی کی نہایت شدت تھی اور ہوائے تموز یعنی لو چلتی تھی۔ ایک روز سید جلال بخاریؒ خانقاہ کے صحن میں بیٹھے تھے فرمایا کہ آہ ایسے موسم میں بخارا کی برف مطلوب ہے۔ شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا نے کہ اپنے حجرہ میں تھے انہوں نے صفائے باطن سے یہ امر دریافت کرکے اپنے خادم سے فرمایا کہ تم جاکر جماعت خانہ کی صف میں فرش اٹھاکر تمام صحن جھاڑو سے صاف کرو۔ خادم نے حکم کے مطابق عمل کیا اور لوگ

اس امر سے کہ خلاف عادت تھا متعجب ہوئے، دوپہر کا وقت تھا کہ ناگاہ آسمان پر ایک ٹکڑا ابر کا خانقاہ کے مقابل میں ظاہر ہوا اور خانقاہ کے صحن میں تخم مرغ کے برابر اولے گرنے لگے یہاں تک کہ تمام صحن اولوں سے بھر گیا اور ابر ناپید ہوا۔ خانقاہ کے سوا ایک ژالہ بھی دوسرے مقام میں نہ گرا۔ غرض کہ سید جلالؒ بہت سے اولے تناول فرما کر اپنی آرزو کو پہونچے اور ملتان کے لوگ ایک ایک ژالہ تبرکاً اُٹھا کر لے گئے جب شیخ نماز ظہر کے لئے حجرہ سے برآمد ہوئے تو سید جلالؒ بخاری کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا اے سید جلال بخاریؒ اس حال میں ملتان کے اولے بہتر ہیں۔ یا بخارا کی برف۔ سید جلال الدینؒ بخاری نے عرض کی کہ ایک ژالہ ملتان کا بخارا کے سو برف کالوں سے بہتر ہے۔ اسی روز وہ خیاب خرقۂ خلافت پاکر بلدۂ اوچہ میں مامور ہوئے۔ آنحضرت کا مقبرہ اسی شہر میں واقع ہے :۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ۔

حضرت شیخ حسن افغان رح

آں جناب بھی شیخ بہاؤالدین ذکریا کے مریدوں میں سے ہیں جن کا یہ مرتبہ ہے کہ شیخ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ جب قیامت میں پیش کرسی ندا آئے گی کہ ذکریا ہماری درگاہ میں کیا لایا ہے تو عرض کروں گا حسن افغان کو لایا ہوں۔

کتاب فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے مرقوم ہے کہ شیخ حسن مردانی تھے اور کچھ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ حروف بھی زبان سے ادا نہ کر سکتے تھے لیکن لوح محفوظ اُن کے آئینہ دل پر عکس نگن تھی۔ اس دلیل سے کہ لوگ بارہا تین سطر ایک کاغذ پر تحریر کرکے ان کے روبرو دیے جاتے تھے۔ ایک سطر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سطر اقاویلِ مشائخ سے اور ایک سطر آیاتِ کلام اللہ سے اور شیخ سے عرض کرتے

تھے کہ فرمایئے ان سطروں میں احادیث رسول اللہ اور آیات قرآن مجید اور اقوال مشائخ کون سے ہیں وہ جناب اوّل انگشت قرآن مجید کی سطر پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا ہے کہ انوار اس کا عرش اعظم تک مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ حدیث رسول اللہ ہے کہ طلعت اس کی سپہر ہفتمین تک دیکھتا ہوں۔ پھر مشائخ کی سطر کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تھے کہ یہ اقوال بزرگوں کے ہیں کہ نور اس کا فلک تک معائنہ کرتا ہوں شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک وقت دہلی میں ایک بنا کرتے تھے اور قبلہ کے تعینؔ میں کہ داہنی طرف میل کرتا ہے یا بائیں سمت علما میں اختلاف تھا۔ اتفاقاً شیخ حسن افغان اس مقام میں وارد ہوئے اور قبلہ رو ایستادہ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا بیت اللہ کی زیارت کرو۔ جمیع علماء جو حاضر تھے کعبۃ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ کی تعظیم کر چلے۔

ایک روز شیخ حسن افغان کا گذر ایک کوچہ میں ہوا اور بہنگام مغرب ایک مسجد میں پہونچے، دیکھا کہ ایک امام نماز جماعت کی ادا کرتا ہے۔ آپ نے اس امام کی اقتدار کی۔ جب امام سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوا تو آپ امام کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشہ میں لے گئے۔ اور کہا اے صاحب ہم اس نماز کی جماعت میں شریک ہوئے اور تمہاری اقتدا کی تم عین نماز میں دہلی سے بنگالہ گئے اور وہاں سے بردے خرید کر ملتان لے گئے اور پھر ملتان سے غزنین کی سمت ان بردوں کو گراں قیمت

پر پہنچنے کے واسطے روانہ ہوئے اور ہم تمہارے پیچھے بے سروپا حیران و پریشان پھرتے رہے، بتائیے اس نماز کو کیا کہیں اور اس کا نام کیا رکھیں؟ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا تھا جیسا کہ شیخ نے فرمایا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ احمدؒ

وہ جناب شیخ صدرالدینؒ عارف کے مریدوں میں سے ہیں۔ ابتدائے زمانہ میں قندھار میں سکونت رکھتے تھے اور مریدِ دائم الخمر تھے، بے خمر زیست نہ کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے باپ محمد قندھاری سے اجازت لے کر بغرض تجارت ملتان کی طرف روانہ ہوئے۔ مے نوشی اور معشوق پرستی اُن کا کام تھا۔ اتفاقِ حسنہ سے وہ ایک روز دکان پر بیٹھے تھے کہ شیخ صدرالدینؒ عارف جب شیخ بہاؤالدینؒ زکریا کی زیارت کے واسطے جاتے تھے۔ اُن کی نظر شیخ احمدؒ پر پڑی، ایک خادم کو بھیجا کہ انہیں جس طرح ممکن ہو میرے پاس لا۔ یہ کہہ کر وہ جناب اپنے والد کے مقبرے میں داخل ہوئے اور شیخ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد خادم شیخ احمدؒ کو شیخ صدرالدینؒ عارف کی خدمت میں لایا اور شیخ انہیں اپنے ہمراہ اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پہلو میں بٹھایا

چونکہ موسم گرم تھا آپ نے شربت طلب کر کے قدرے خود نوش فرمایا اور باقی شیخ احمدؒ کو دیا۔ وہ شربت انہوں نے پیا تو اس کے پیتے ہی ابواب معرفت اُن پر کشادہ ہوئے اور وہ فوراً تائب ہو کر شرفِ ارادت سے مشرف ہوئے جو کچھ نقد جنس اپنے پاس رکھتے تھے اُس خانقاہ کے درویشوں پر تقسیم کیا۔ اور علائق دنیا سے دست کش ہو کر تجرید اختیار کی اور سات برس گوشۂ انزوا میں بیٹھ کر یادِ حق مشغول رہے اور ہر وقت شیخ سے فیض حاصل کرتے تھے یہاں تک کہ اہلِ ولایت ہو گئے۔

فوائد الفواد میں شیخ نظام الدینؒ اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ احمدؒ اواخر عمر میں یادِ حق ایسے مشغول ہوئے کہ چشمِ ظاہر نہ کھولتے تھے۔ ایک وقت عین سرما میں کہ ہوا نہایت سرد تھی صبح غسل کے واسطے پانی میں داخل ہوئے اور ایک عرصے تک اس میں درنگ کر کے زبانِ مناجات کھولی کہ الٰہی تو تو بادشاہ ہے اور بندوں کی اطاعت سے بے نیاز ہے، اپنے لطفِ عمیم سے بندگانِ بے بضاعت کو سرفراز فرماتا ہے قسم ہے تیری محبت کی جب تک کہ میں اپنا قرب اور مرتبہ نہ جانوں گا اس پانی سے باہر نہ نکلوں گا۔ آخرش ندا آئی کہ ہماری درگاہ میں تیرا مرتبہ وہ ہے کہ ہم تیرے وسیلہ شفاعت سے خلائق کثیر کو آتشِ دوزخ سے رہا کر کے بہشتِ جاودانہ میں داخل کریں گے۔ شیخ احمدؒ نے عرض کی بارِ الٰہا تیری نعمت بے حد اور رحمت لاتعداد ہے۔ میں اس امر پر اکتفا نہ کروں گا۔ اس کے بعد فرمان صادر ہوا کہ ہم نے تجھ کو اپنا معشوق بنایا تو اپنے تمام طالبوں کو میرا عاشق کر! شیخ احمد یہ بشارت فیض اشارت

سنتے ہی پانی سے برآمد ہوئے اور اپنے مکان کا راستہ لیا۔ الغرض راہ میں جس جگہ پہنچتے تھے خلقت کہتی تھی کہ شیخ احمدؒ معشوق آتا ہے۔ منقول ہے کہ اُن کا جذبہ اس نہایت کو پہنچا کہ نماز سے بھی باز رہے اور جب علماء و فضلاء سمجھاتے تھے کہ اپنے تئیں مستی اور بےشعوری سے باز رکھیے اور نماز پنجگانہ ادا کیجیے تو فرماتے قدرت نماز پر رکھتا ہوں لیکن فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھ سکتا۔ علماء نے جواب دیا نماز بے سورہ درست نہیں ہے۔ شیخ نے کہا فاتحہ پڑھوں گا لیکن اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ نہ کہوں گا۔ بولے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ تمام سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔ شیخ نے بہ تکلیف علماء نماز میں قیام کیا۔ جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچے تو اُن کے ہر بنِ مُو سے قطرہ خون ٹپکنے لگا یہاں تک کہ تمام خرقہ خون آلود ہو گیا۔ ناچار علماء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بزرگوار میں زنِ حائضہ کے مانند ہوں۔ مجھ پر نماز درست نہیں۔ مجھے کچھ نہ کہو؛

رحمۃ اللہ تعالےٰ۔

شیخ حسام الدینؒ

حضرت بھی شیخ صدر الدینؒ عارف کے مریدوں میں سے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ شیخ صدر الدینؒ عارف شیخ بہاؤ الدین زکریا کی قبر کی زیارت کے واسطے تشریف لے گئے۔ مولانا شیخ حسام الدین ہمراہ تھے۔ مولانا حسام الدینؒ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ کیا خوب ہوتا جو شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا قدس سرہٗ کے مزار کی پائنتی مجھے ایک قبر کے برابر زمین ملتی، تو ان بزرگوار کی برکت سے میں عذابِ دوزخ سے نجات پاتا۔ فی الفور شیخ صدر الدینؒ عارف نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مولانا حسام الدینؒ تمہارے لئے اِس زمین سے مجھے کچھ دریغ نہ تھا۔ لیکن حضرت رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے مزار کے واسطے زمینِ پاک شہر بدایوں

میں تعین فرمائی ہے۔ تمہاری قبر وہاں ہوگی۔

منقول ہے کہ مولانا نے بلدہ بدایوں میں ایک شب خواب میں حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مقام میں وضو کرتے ہیں۔ صبح کو وہاں جاکر دیکھا کہ زمین تر ہے۔ فرمایا کہ مجھے اسی مقام میں دفن کرنا۔ خلاصہ یہ کہ آپ اسی جگہ مدفون ہوئے نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت علاؤالدینؒ

اُن جناب بھی شیخ صدرالدینؒ عارف کے مریدوں میں سے ہیں، نہایت محقق اور فاضل تھے۔ چار برس تک اُن محرم راز کی خدمت میں بسر کئے۔ شیخ صدرالدینؒ عارف انہیں ہمیشہ محبوب اللہ کہتے تھے اور وہ جناب دن رات میں دو بار کلام اللہ ختم کرتے تھے۔

شیخ جمال خجندیؒ بھی شیخ بہاؤالدینؒ ذکریا کے مریدوں سے ہیں لیکن شیخ صدرالدینؒ عارف کے تربیت یافتہ ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ وافی رکھتے تھے اور اُن سے خارق عادت بہت سرزد ہوتے تھے۔ اُن کی قبر اوچ میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہم ؂

شیخ وحید الدین عثمان المشہور بہ سیاحؒ

شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل ہے کہ شیخ وحید الدینؒ عثمان سیاح کو میں نے دیکھا ایک دن کیلوکھری میں دریا کے کنارے شیخ رکن الدینؒ کے مرید ہوئے اور انہوں نے ایسی ترک و تجرید اختیار کی کہ ایک تہمد کے سوا جو ستر عورت کے لئے ضروری ہے اور کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے اور اسی حال سے شیخ کے ہمراہ ملتان میں جا کر کتاب عوارف مصنفہ شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی اُن سے پڑھی اور قرآن مجید حفظ کیا۔

مشہور ہے کہ جب وہ شیخ کی اجازت سے عازم سفر ہوئے اور سیاحی میں قدم رکھا تو چھاگل اور عصا بھی لیا، وہی تہمد ہمراہ تھا اور سیاحی مجرد کرتے تھے، یہاں تک کہ مکہ معظمہ میں پہنچ حج کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ میں جا کر ایک سال مقیم رہے، پھر موسم حج میں بیت اللہ میں جا کر طواف میں مشغول ہوئے اور چونکہ ہوا گرم

تھی حضرت خضر علیہ السلام نے حاضر ہو کر اپنی آستین کا سایہ اُس جناب پر کیا اور خود بھی طواف میں مصروف ہوئے۔ شیخ نے اگرچہ حضرت کو پہچانا لیکن کچھ نہ کہا اس کے بعد ملتان میں آ کر شیخ رکن الدینؒ عارف سے ملاقات کی۔ شیخ نے فرمایا کہ خوب ہوا تم جلد چلے آئے نہیں تو خلق کے لئے فتنہ ہو جاتے۔ پھر اپنا لباس خاص انہیں پہنایا اور دستار مبارک اتار کر اُن کے سر پر رکھی اور بعد چند روز کے حکم کیا کہ تم دہلی میں جا کر بود و باش اختیار کرو اور اکثر اوقات شیخ نظام الدینؒ اولیاء کی صحبت میں بسر کرکے حضرت جہاں تمہارے واسطے منزل مقرر کریں! اس مقام میں قیام کرنا اور میری دعا شیخ کو پہنچانا۔

شیخ وحید الدین عثمانؒ سیاحؒ جب دہلی میں وارد ہوئے تو شیخ نظام الدینؒ اولیا سے مل کر پہلے شیخ رکن الدینؒ کا سلام پہنچایا۔ شیخ نے اُٹھ کر وعلیکم السلام کہا پھر اُن دونوں بزرگواروں کے درمیان کامل محبت بہم پہنچی۔ شیخ وحید الدین عثمانؒ بھی شیخ نظام الدینؒ اولیاء کی ملازمت میں رہتے تھے اور سماع و وجد سے نہایت میل رکھتے تھے۔ بادشاہ غیاث الدینؒ نے ترک سماع کا محضر تیار کرنے سے پہلے حکم کیا تھا کہ جو مطرب یا قوال کسی صوفی کے روبرو راگ گائے گا اور صوفی دم مارے گا تو اس کی زبان گدی سے کھینچی جائے گی۔ اس سبب سے کسی قوال اور صوفی کو قدرت نہ تھی کہ راگ اور سماع کے قریب جاتا۔ الغرض ان دنوں ایک روز شیخ وحید الدین عثمانؒ سیاح اپنے جماعت خانے میں بیٹھے تھے کہ میر حسن قوال ولد میر حیات قوال جو قوالوں کا سردار اور شیخ نظام الدینؒ اولیاء کے وظیفہ خواروں کے سلک میں منتظم تھا مع دو تین قوالوں کے اُس طرف سے گذرا اور شیخ وحید الدین سیاحؒ کو دیکھ کر اُن کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ شیخ وحید الدینؒ سیاح نے کہ اس کی حسن صورت پر فریفتہ تھے فرمایا۔ اے میر حسن آہستہ آہستہ کچھ گنگنا! اس نے جواب دیا کہ یا شیخ بادشاہ اس بارے میں نہایت قدغن رکھتا ہے یہاں تک کہ کوئی شخص قرآن بھی خوش آوازی سے نہیں پڑھ سکتا۔ شیخ نے فرمایا یہاں کوئی نہیں ہے' دروازہ بند کرکے بہ آہستگی سنوں گا۔ میر حسن قوال نے جب شیخ کو حد سے زیادہ مصر دیکھا نا چار ہو کر یہ بیت پردۂ عشاق میں شروع کی ؎

زاہد ز دین بر آمد چو دفی ز اعتقاد
ترسا محمدی شد و عاشق ہمانکہ ہست

شیخ یہ سنتے ہی ایسے وجد میں آئے کہ بیخودی میں حجرے کا دروازہ کھول دیا یہ خبر سن کر دو سو قوال کے قریب حاضر ہوئے اور اس محلہ کے صوفیوں نے ازدحام کیا محفل طولانی ہوئی اور یہ خبر شہر میں منتشر ہونے سے اہل وجد و حال در تماشائیوں کا انبوہ کثیر شیخ وحید الدین عثمان سیاحؒ کے دروازے پر جمع ہوا اور شیخ اس جماعت کے ہمراہ۔ کہ قریب تین ہزار آدمی تھے تغلق آباد کی سمت روانہ ہوئے۔ دہلی سے وہاں تک ڈھائی کوس فاصلہ تھا اور شریف و وضیع متحیر ہوئے اور سب سمجھے کہ اب شیخ اور قوالوں کا بادشاہ کی تیغ سیاست سے بچنا محال ہے راوی کہتا ہے کہ جب شیخ اس وضع کے ساتھ تغلق آباد کے قریب پہنچے تو بادشاہ غیاث الدین تغلق نے ملک شادی کو جو اس کے جملہ مخصوصان سے تھا بھیجا کہ جاکر دریافت کرے کہ یہ ہجوم اور شور کیسا ہے! ملک شادی حسب الحکم گھوڑا سرپٹ پھینک کر ان کے قریب پہنچا۔ دیکھا کہ شیخ وحید الدینؒ عثمان سیاحؒ اور قوال وجد کرتے ہوتے اور

گاتے ہوئے آتے ہیں۔ اس نے فوراً پلٹ کر بادشاہ سے حقیقتِ حال عرض کی۔ بادشاہ نے فرمایا میں اس شخص کو ایسی تادیب کروں گا کہ اوروں کی عبرت کا باعث ہو۔ اس کے بعد بادشاہ نے تذکرہ خسرو خاں قاتل قطب الدین مبارک شاہ کا طلب کیا کہ اس میں دیکھوں کہ اس شیخ نے خسرو خاں سے کس قدر روپیہ لیا ہے! بعدہٗ حکم کروں گا کہ وہ روپیہ شیخ سے اسی وقت بشدت و اہانت واپس وصول کریں۔ ارکان دولت جو بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے عرض کی اس شیخ نے خسرو خاں سے ایک حبّہ زر فتوح قبول نہیں کیا۔ یہ بات سنتے ہی مقلب القلوب نے بادشاہ کے دل کو ایسا نرم کیا کہ ملک شادی سے فرمایا کہ تو جلد جا کر شیخ کو میرا سلام پہنچا اور قصرِ خاص میں باعزاز تمام لا اور سامانِ ضیافت مہیا کر کے قوالوں کو انعامِ شاہی سے مالامال کر۔ ملک شادی نے شیخ کو مع اسی جماعت کے تین روز تک مہمان رکھا اور اپنی طرف سے بہت زر شکرانہ پیش کیا۔ شیخ نے اس کو قبول نہ کیا اور پھر اس ازدحام و غوغا کے ساتھ تغلق آباد سے غیاث پور کی طرف روانہ ہوگئے اور شیخ نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت میں چند روز بسر کیے ؛

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین حسین بخاریؒ

آں گوہر معدن سیادت
سلطانِ سرادقِ سعادت
آں حامیٔ دین سلالۂ پاک
فرزند نبیؐ خاص لولاک
بانی شریعت و طریقت
استادِ مشایخ حقیقت
اندر پے مصطفٰےؐ در اسلام
از فقر نہادہ بر زمین گام
سیاح جہاں براہ دینی
برداشتہ توشۂ یقینی

ہمسایۂ شبیۂ حج اکبر
ہم زائر روضۂ پیمبرؐ
آمد ز خدا بفتح بابش
مخدوم جہانیاں خطابش

چونکہ تقدیم و تاخیر مشائخ میں تقدم زمانہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا مخدوم جہانیاں کا ذکر موخر کیا گیا۔ واضح ہو کہ آپ کے جد امجد حضرت سید جلال بخاریؒ نے جب اپنے پیر شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ سے خرقۂ خلافت پایا اور پیر کی رخصت سے اوچ میں آئے اور شریعت نبوی کے مطابق نکاح کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تین فرزند کرامت فرمائے، سید احمد کبیرؒ سید بہاؤ الدینؒ سید محمدؒ سید احمد کبیر جو اپنے والد کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے صاحب سے دو فرزند سعادت مند ہوئے ایک مخدوم جہانیاں سید جلال الدینؒ حسین بخاری اور دوسرے صدر الدینؒ راجو قتال۔ سید احمد کبیرؒ نے سید جلال الدینؒ حسین بخاری کو سات سال کے سن میں شیخ جمال الدینؒ خجندی کی خدمت میں کہ شیخ بہاؤ الدینؒ ذکریا کے مریدوں سے تھے لے جا کر آنحضرت کی دست بوسی سے مشرف کیا۔ پھر شیخ جمال الدینؒ خجندی نے ایک طباق میں خرما لا کر اہل مجلس میں تقسیم کئے، سید جلال الدینؒ حسین بخاری نے خرما مع گٹھلی خستہ تناول کیا۔ شیخ جمال الدینؒ خجندی نے خرما مع خستہ کھانے کا سبب پوچھا۔ عرض کی کہ جو خرما آپ کے دست حق پرست سے دستیاب ہوا اس کا تخم دور کرنا سوئے ادبی ہے۔ شیخ نے فرمایا تو وہ چراغ ہے کہ اپنے خاندان کو قیامت تک روشن رکھے گا۔

سید جلال الدینؒ حسین بخاری عالم متبحر تھے اور علوم عقلی و نقلی میں آپ نے نہایت مشقت کھینچی تھی اور اس امر کے مقید نہ تھے کہ ایک شخص کے مرید ہو کر دوسرے سے رجوع نہ کریں۔ آپ فرماتے تھے کہ تمام فضلاء اور مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہونا چاہیئے۔ اور اس جناب نے سب سے فیض و نصیب حاصل کیا اور اپنے والد سید احمدؒ سے خرقہ خلافت پایا اور دوسرا خرقہ حضرت شیخ رکن الدینؒ ابو الفتح سے پایا۔ روایت ہے کہ رسول اُن کی خدمت کر کے مکہ و مدینہ اور مصر و شام اور بیت المقدس، روم، عراقین، خراسان اور بلخ و بخارا کی سمت سفر فرمایا اور بیت اللہ کے بہت حج کئے۔ از انجملہ انہیں چھ حج اکبر نصیب ہوئے۔ اور مدینۂ رسول اللہ میں سلطان العلماء استاد المحدثین عفیف الدینؒ بن سعد الدین علی الشافعی الیمنی سے ملاقات کر کے دو برس اس جناب کی ملازمت میں حاضر رہے اور نسخہ عوارف و میزہ انہیں پیش کیا۔

منقول ہے کہ عفیف الدینؒ نے شیخ رشید الدین محمد ابو القاسم صوفی سے خرقہ پہنا تھا اور انہوں نے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدینؒ عمر سہروردی سے پایا تھا۔ اسی طرح اثنائے سفر میں شیخ حمید الدین محمود الحسینی سمرقندیؒ کی ملازمت میں فائز ہو کر آں حضرت سے بھی خرقہ اور فیض حاصل کیا اور سید حمید الدینؒ نے شیخ محمد بن ابراہیم ساجیؒ سے اور انہوں نے شیخ نظام الدین ابو العطا بخاریؒ سے خرقہ پایا تھا۔

منقول ہے کہ سید جلال الدینؒ حسین بخاریؒ نے اثنائے سیر و سلوک میں تین سو سے اوپر اہل کمال کی شرف زیارت سے مشرف ہو کر فیض کلی حاصل

کیا جس وقت سید بیت اللہ میں تھے ان کے اور شیخ عبداللہ یافعی شافعی کے
درمیان صحبت و محبت واقع ہوئی ایک دن سید ممدوح طواف کرتے تھے کہ دیکھا
غلاف کعبہ معلق ہے اور دیوار ظاہری قائم نہیں ہے۔ سید نے متحیر ہو کر شیخ
عبداللہ شافعی سے اس کا سبب پوچھا شیخ نے فرمایا" ان کعبۃ راحت
الی زیارۃ" قطب الہند نصیر الدین محمود یعنی کعبہ قطب ہند شیخ نصیر الدین محمود
کی زیارت کو گیا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت مقام متحیرین رکھتے ہیں اور مستی سے آ
نہیں سکتے تھے کعبہ وہاں گیا۔ نیز شیخ نے ارشاد کیا کہ اس وقت دہلی میں اگرچہ
وہ درویش جو سابق میں تھے نہیں رہے لیکن اُن کی تاثیر و برکت قطب الدین
نصیر الدین محمودؒ میں موجود ہے اور بالفعل وہ دہلی کے چراغ ہیں، چنانچہ وہ
جناب بلقب چراغ دہلی اسی وجہ سے مشہور ہوئے۔ الغرض جب سید جلال الدینؒ
حسین بخاری نے یہ کلام سنا اسی وقت نیت کی کہ جب ہندوستان واپس ہوں تو
دہلی جا کر شیخ نصیر الدینؒ سے ملاقات کروں لہذا آپ کی ملاقات کے مشتاق ہوئے
اور جب آنحضرت نے اپنے وطن اوچہ کی طرف عود کیا تو ۲ ۷ ۷ھ میں دہلی سے
دہلی میں آکر شیخ نصیر الدین محمودؒ سے ملاقات کی شیخ نے فرمایا کہ الحمد للہ جو طعن
آپ اس فقیر کی نسبت لے گئے تھے وقوع میں آیا اور یہ بھی فرمایا کہ رحمت خدا
کی شیخ عبداللہ شافعیؒ پر نازل ہو کہ مجھے اس دولت سے امضمون کیا۔

سید جلال الدینؒ بخاری کے کمالات و حالات کتاب قطبی میں کہ ایک
درویش نے تصنیف کی ہے بشرح و بسط مرقوم ہیں لہذا طول سے اندیشہ کر کے
فقیر اس میں سے بطریق اختصار لکھتا ہے۔ واضح ہو کہ آنجناب کے مخدوم جہانیاں

کے خطاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آں حضرت شب عید کو شیخ بہاؤ الدین ذکریا کے
مزار پر قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھے بعد ختم قرآن شیخ کی روح پر فتوح سے
عیدی طلب کی اس وقت یہ ندا آئی تیری عیدی یہ ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے تجھے
مخدوم جہانیاں خطاب فرمایا، اس کے بعد آپ نے شیخ صدر الدین عارف کے مقبرہ
میں جاکر عیدی طلب کی وہاں سے بھی آواز آئی کہ عیدی وہی ہے جو حضرت با...
مرحمت فرمائی ہے اس کے بعد اپنے پیر و مرشد شیخ رکن الدین ابوالفتح کے روضۂ اقدس
پر آکر عیدی طلب کیا چاہتے تھے کہ آواز آئی عیدی وہی ہے جو حضرت جدّ و ید
نے تجویز فرمائی ہے جب وہاں سے برآمد ہوئے تو جس مقام میں پہنچے تھے لوگ
کہتے تھے کہ مخدوم جہانیاں تشریف لاتے ہیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کسی بلند جگہ سے نیچے اتر
چاہتے تھے۔ چونکہ زینہ نہایت پست تھا سید جلال الدین بخاری اپنے پیر کی
آسائش کے واسطے زینہ پر لیٹ گئے اور اپنا سینہ جو اسرارِ حق کا گنجینہ تھا زینہ بنا کر
عرض کی کہ حضرت اس خاکسار کے سینہ پر قدم رکھ کر اتریں۔ شیخ نے یہ حالت مشاہدہ
کر کے انگشت شہادت دانت میں لی اور فرمایا اے سید باب نبوت تو بالکلیہ مسدود
ہے وہاں کوئی نہیں پہونچ سکتا البتہ مرتبہ ولایت میں تو مرتبہ کمال پر پہونچے گا۔
انہوں نے سید محمد رح کو اٹھا کر ان کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور سینہ مبارک
اُن کے سینہ سے مس کیا۔

ایک روز سید جلال الدین بخاری نماز چاشت میں مشغول تھے اور آنحضرت
کا چہار سالہ فرزند صدر الدین کے گرد پھرتا تھا۔ حضرت نے سلام پھیر کر سید شمس الدین

ایک عزیز کی طرف جو کہ وہاں بیٹھے تھے متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس معدوم کی زیست دشوار ہے اس لئے کہ میں نے عین نماز میں اس کی طرف میل کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ ظہر کے وقت وہ لڑکا تپ شدید میں مبتلا ہو کر اسی شب فوت ہوا۔

نصیبات اوچہ میں ایک شخص ملا وجیہہ الدین محمد رہتے تھے ایک روز وہ ایک عزیز کے مکان پر کہ جن کا نام مولانا نصیر الدین ابو المعالی تھا کسی کام سے گئے اور وہیں قیلولہ کیا اور خواب میں دیکھا کہ ایک مقام میں خلائق کا ہجوم ہے، ایک شخص وعظ کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو شخص کار دنیا کو کار دین پر مقدم رکھتا ہے دونوں کام اس کے خاک میں ملتے ہیں۔ جب بیدار ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ اس اطراف میں کوئی شخص وعظ فرماتا ہے؟ بولے ہاں سید جلال الدین حسین بخاری اوچہ میں وعظ کہتے ہیں۔ مولانا وجیہہ الدین محمد نے آنحضرت کو نہ دیکھا تھا چنانچہ دوسرے دن احرام زیارت باندھ کر اوچہ میں گئے۔ جب وہی صورت جو خواب میں دیکھی تھی معائنہ کی تو باعتقاد دوامر ان کے قدم پر گر پڑے۔ سید نے فرمایا اے بابا دنیا کا کام عقبیٰ پر مقدم نہ چاہیئے۔ ملا وجیہہ الدین محمد نے جب یہ کلام صدق التیام سنا تو اور بھی معتقد ہو کر مرید ہو گئے۔

ایک روز شیخ کبیر الدین اسماعیل نے سید سے اس وقت کہ وہ اپنے والد کی مجلس میں بیٹھے تھے پوچھا کہ تم کو اپنی ولادت سے کچھ یاد ہے؟ فرمایا چھٹے روز مجھے ایک عورت نے نہلا کر کپڑا پہنایا تھا مجھے یاد ہے اور میں اس عورت کو پہچانتا ہوں۔

مولانا شہاب الدین ترجمان سے نقل ہے کہ سید ماہ رمضان میں برفاقت اہل صلاح و معتقدین مسجد اوچہ میں معتکف تھے چند درویش کہ بصفت لا یفقہون تسبیحہم موصوف تھے کبھی کبھی اس جناب کے پاس آبیٹھتے تھے۔ ایک دوسرے

نام والی اوچہ سید کی زیارت کو آیا اور اس نے درویشوں کا ہجوم دیکھ کر بلا اجازت سید بعض لوگوں کو مسجد سے نکال دیا۔ سید نے فرمایا اے سومرہ کیا تو دیوانہ ہوا ہے جو فقیروں سے الجھتا ہے؟ یہ فرماتے ہی سومرہ دیوانہ ہو گیا اور حالتِ جنون میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے جب یہ خبر شہر اوچہ میں مشہور ہوئی کہ حاکم دیوانہ ہوا تو بزرگانِ شہر اتفاق کر کے زنجیر اور ہتھکڑی سے اُسے جکڑ لائے اور اس کی والدہ نے سید کی خدمت میں حاضر ہو کر عجز و زاری تمام عرض کی کہ اے مخدومِ جہانیاں آپ کی شفقت تمام ساکنانِ عالم پر برابر اور یکساں ہے لہٰذا اس جوان کا گناہ اس پیرزال عاجز کے سبب بخش دیں۔ سید نے فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسے غسل دے کر لباس پہناؤ بعدہٗ شیخ جمال الدینؒ خجندی کی قبر پر لے جاؤ اور آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف کرا کے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے جب ایسا کیا تو والی اوچہ اپنی حالت اصلی پر آیا اور مسجد میں جا کر سید کی قدمبوسی سے شرفیاب ہوا اور درویشوں سے معذرت کر کے مرید ہوا اور تائید الٰہی سے مقبولوں کے مسلک میں منتظم ہوا۔

ملا شمس الدینؒ سے کہ جو حج آخر میں سید کے ہمراہ تھے منقول ہے کہ جب اوچہ سے دریا کے کنارے پہونچے تو مع ایک جماعت درویشاں کے جہاز پر سوار ہوئے چند روز کے بعد درویشوں کو ماہی تازہ کی آرزو ہوئی۔ سید نورِ باطن سے دریافت کر کے مسکرائے اور کہا خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تمہاری آرزو پوری کریگا۔ اسی وقت ایک مچھلی جو مقدار میں دو من[1] کی تھی دریا سے جست کر کے درویشوں کے پاس گری تو وہ فوراً بریاں کر کے اُسے اپنے مصرف میں لائے۔ کہتے ہیں کہ جس روز جہاز ساحلِ مقصود کو پہنچا اسی روز سید جلال الدین حسین بخاریؒ جدہ میں ام الخلائق ماما حوا کی زیارت کے واسطے گئے اور شرفِ زیارت سے مشرف ہوئے۔ قضارا اس روز چند شخص ایک جنازہ ماما حوا کی قبر کے نزدیک دفن کرنے کو

[1] من سے مراد شرعی من ہے جو چند سیر کا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

لاتے تھے۔ سید نے لوگوں سے پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے؟ بولے یہ تابوت شیخ بدرالدینؒ یمنی کا ہے جو تیس برس حرمین الشریفین میں مجاور رہے کل مکہ معظمہ سے جدہ میں آکر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے کہ ناگاہ پیمانہ حیات آب بقا سے لبریز ہوا اور روضۂ رضوان کی طرف سفری ہوئے۔ یہ سنتے ہی سید مراقبہ میں گئے اور بعد ایک لحظہ کے سر اٹھا کر فرمایا کہ ان بزرگوار کو دفن نہ کرو شائد کہ سکتہ ہوا ہو پھر تابوت کو اس مسجد میں جو دریا کے کنارے واقع تھی لے جا کر دروازہ بند کیا اور تابوت کو کھولا اور شیخ بدرالدین کو باہر نکال کر مسجد کے بوریہ پر لٹایا اور دو رکعت نماز ادا کر کے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوئے۔ بعد اس کے بحکم حیّ الذی لا یموت شیخ بدرالدینؒ یمنی حرکت میں آکر اٹھ بیٹھے اور سید جلال الدینؒ حسین بخاری کے دست بوس ہوئے اور ان سے احوال پوچھا۔ سید نے انہیں اپنا جامہ خاص پہنا کر فرمایا مسجد کا دروازہ کھول کر نماز عصر کی اذان دیں۔ بعد ازاں شیخ بدرالدینؒ یمنی نے امامت کی اور درویشوں نے اقتدا کی۔ سید جلال الدینؒ دوسرے دن شیخ بدرالدینؒ یمنی کے ہمراہ کعبۃ اللہ روانہ ہوئے اور سعادت طواف سے مشرف ہو کر شیخ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی سمت گئے اور از سر نو سرور کائنات کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور السلام علیک یا جدا عرض کر کے وعلیک السلام یا ولدی سنا۔ اس کے بعد جب سفر مکہ سے معاودت کر کے اوچ میں پہنچے تو ستر برس کے سن میں بمرض الموت مبتلا ہوئے روز بروز ضعیف ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ عید قربان کے روز بعد ادائے دوگانہ عید اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کیا اور اسی شہر میں مدفون ہوئے۔

کتب معتبرہ میں مسطور ہے کہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری کسی
کو اپنے مریدوں میں نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کام کسی نبی سے نہیں
کیا ہے۔ ہاں جس وقت کوئی بارادت صادق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو
ارشاد کرتے تھے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں کہ کسی کو مرید کروں لیکن عقدِ اخوت
کرتا ہوں اور حدیث نبوی کے موافق برادری میں لیتا ہوں کیونکہ حدیث میں وارد
ہے۔ ان اللہ حی کریم یستحی ان یعذب الرجل بین یدی
اخوانہ۔ نیز کہتے تھے کہ یہ لوگ جو جامہ ہائے مشائخ کے تبرک لیتے ہیں
چونکہ اس کی اصل موجود ہے میں بھی اس پر عمل کرتا ہوں۔ اس لیے کہ ایک
وقت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کے ایک گھر میں
تشریف لائے اور وہ مکان آدمیوں سے مملو ہوا۔ اس درمیان میں جریر بن
عبداللہ رض بجلی آئے اور جگہ نہ پاکر باہر بیٹھ گئے۔ حضرتؐ نے واقف ہو کر اپنا
جامۂ خاص اٹھایا اور لپیٹ کر ان کے روبرو پھینکا اور فرمایا تم اسے زمین پر
بچھا کر بیٹھو۔ پس جریر رض نے وہ جامہ لے کر سر اور آنکھوں پر ملا اور تیمنا و تبرکاً اپنے
پاس مدت العمر نگاہ رکھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ؎

سیّد صدرالدین راجوؒ

یہ مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین حسینؒ بخاری کے چھوٹے بھائی ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی میں شہرت تمام رکھتے تھے اور صفتِ جلالت ان پر غالب تھی، جو کچھ زبان پر جاری ہوتا تھا وہی وقوع میں آتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ان کے صاحبزادہ نے ایک متوسّل بے گناہ کی ریش ترشوائی اور اس مسکین نے سیّد کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال ظاہر کی۔ سیّد نے زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ وہ بھی اپنے ہاتھ سے اپنی ڈاڑھی تراش کر سزا کو پہنچے گا۔ اتفاقاً اس روز مخدوم زادہ نے ایک حجام کو بلا کر کہا کہ جلد میری مونچھ اور ڈاڑھی ٹھیک کر کے کاٹ دے۔ لیکن حجام ڈرا اور آئینہ اور استرہ اُن کے روبرو رکھ کر آپ ہاتھ دھونے کے بہانے غائب ہو گیا۔ الغرض جب دیر ہوئی تو مخدوم زادہ نے چاہا کہ خود ہی جلد اس کام سے فراغت کر لوں

چنانچہ آئینہ سامنے رکھ کر ایسا استرہ چلایا کہ ڈاڑھی منڈ گئی۔ مجبور ہو کر دوسری طرف کے بال بھی مونڈے اور جیسا کہ حضرت مخدوم کی زبان پر جاری ہوا تھا بجنسہٖ ظہور میں آیا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ آنحضرت جس شخص پر نظر تیز ڈالتے تھے وہ فوراً بیہوش ہو کر جان دیتا تھا۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک کافر قوم جٹان سے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسینؒ بخاری کی خدمت میں آ کر مسلمان ہوا۔ اور سید نے اس کا نام عبداللہ رکھ کر تربیت فرمائی چنانچہ تھوڑے دنوں میں جاؤں میں اُس کی شہرت عظیم واقع ہوئی اور نحو غایر پا ہوا۔ الحاصل ایک روز عبداللہ حسب الاستدعا سید صدرالدین راجوی قتال کے روبرو حاضر تھا اور کسی امر کے سبب سید نے اس پر نگاہ ڈالی۔ عبداللہ اسی لحظہ گر پڑا۔ اور باآواز بلند کہتا تھا کہ ہائے میں جلا ہائے میں جلا۔ ہر چند اس پر پانی کی مشکیں گراتے تھے فائدہ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ اسی سوز میں مر گیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسینؒ بخاری مرض الموت میں مبتلا ہوئے ایک کافر خواہون نام کہ بادشاہ فیروز باربک کی طرف سے اوچہ کا حاکم تھا۔ اس وقت سید کی عیادت کو آیا اور کہا حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کی ذات بابرکات کو کہ ختم اولیا ہے جیسے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ختم انبیا تھے صحت عاجل اور شفائے کامل کرامت فرمائے۔ سید جلال الدین حسین بخاری نے یہ کلام سن کر اپنے بھائی صدرالدینؒ راجوی قتال سے فرمایا کہ چونکہ اس شخص نے حضرت رسالت پناہ کی نبوتؐ کا اقرار

کیا ہے تو حکم شریعت کے موافق مسلمان ہوا اب تم اور حضارِ مجلس اس کے گواہ ہو اور اسے مسلمان کر دو۔ نواہون تکلیفِ اسلام کے خوف سے اس مجلس سے بھاگ گیا اور بادشاہ فیروز باربک کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال بیان کی۔ بادشاہ نے باوجود اس کے کہ اس کو دوست رکھتا تھا کہا کہ جب تو نے ایسا کہا تو بے شک مسلمان ہوا۔ چونکہ ان دنوں سید جوارِ رحمت حق میں داخل ہو گئے۔ سید صدرالدین راجو قتال بعد اوائے لوازمِ زیارت مع گواہان نواہون کے معاملہ کے فیصلے کی غرض سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے، جب اطراف شہر میں پہنچے بادشاہ نے استقبال کا قصد کیا اور عالموں سے پوچھا کہ تم نواہون کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ شیخ محمد نے جو قاضی عبدالمقتدر تھانیسری کے فرزند اور جدتِ جودتِ طبع میں مشہور تھے عرض کی چونکہ ظلِ سبحانی سید کے استقبال کے واسطے تشریف لے چلے ہیں مجلسِ اول میں سید سے یہ سوال کریں کہ کیا حضرت سید اس کافر کے قصہ کے واسطے تشریف لائے ہیں جب وہ کہیں ہاں کافر کے معاملہ کے واسطے آیا ہوں۔ تب اس کے کفر کا اقرار ہو گا اور میں اُن سے ہمکلام ہو کر بحث کر لوں گا۔ الغرض بادشاہ نے ان کی قرارداد کے موافق مجلس اوّل ہی میں پوچھا کہ آنحضرت اس کافر کی مہم کے واسطے آئے ہیں؟ سید نے کہا ہاں اس مسلم کے قصہ کے لیے آیا ہوں اس درمیان میں شیخ محمد نے آپ کے روبرو آ کر کہا کہ اے سید اس کلمہ کے سبب سے کہ جو اس نے کہا شرعاً اس پر اسلام لازم نہیں آتا ہے۔ سید نے فرمایا اے مخدوم زادہ تمہارے کلام سے خوشبوئے دیانت نہیں آتی ہے اپنے کفن کی فکر کرو۔ یہ کہہ کر انہیں تیز نظر سے دیکھا تو فوراً اُن کے شکم میں دردِ شدید پیدا ہوا

گھر میں گئے تو قاضی عبد المقتدر تھانیسری کہ اس مجلس میں حاضر تھے۔ سید کی تعظیم بجالا کر عرض پرداز ہوئے کہ میرا یہی ایک لڑکا ہے۔ میری عاجزی پر رحم کرکے اسے مجھے بخش دیں۔ سید نے فرمایا کہ وہ مر گیا ہوگا۔ لیکن وہ فرزند کہ شکمِ مادر میں ہے اہل تقویٰ سے ہوگا۔ شیخ محمد نے اس درد سے فرصت نہ پائی اور فوت ہوگیا۔ قاضی عبد المقتدر تھانیسری کو خدا نے اور فرزند عطا فرمایا شیخ نے اس کا نام ابو الفتح رکھا۔ چنانچہ وہ درویش اور دانشمند زمانہ ہوئے۔ اور اب تک اُن کا مقبرہ جون پور میں موجود ہے۔ فیروز شاہ باربک نے سید اور شیخ کی صحبت کا مشاہدہ کرکے نواہون کو سید راجو تے قتال کے سپرد کیا۔ اور کہا موجب شرع کے جو کچھ لازم آتے ویسے عمل میں لائیں۔ سید نے نواہون سے فرمایا کہ تو مسلمان ہوا ہے شعار اسلام ظاہر کر۔ جب اُس نے یہ فرمان قبول نہ کیا تو اسے قتل کرکے اوچہ کی طرف مراجعت فرمائی اور مدتِ مدید اپنے برادر والا گہر کے قائم مقام ہوکر ارشاد عباد میں مشغول رہے اور من بعد بمقتضائے:

اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون۔

شربتِ موت چکھ کر بجوارِ رحمت ایزدی واصل ہوئے مقبرہ ان کا اس مقام میں موجود ہے:۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت کبیرُالدّین اسماعیلؒ

آنجناب مخدوم جہانیاں سید جلال الدّین حسین بخاریؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ آنحضرت کی وفات کے بعد اس جناب نے نسخہ عوارف سید صدرالدین راجوئے قتالؒ سے پڑھ کر کمالات حاصل کئے اور جن دنوں کہ کتاب عوارف پڑھتے تھے ایک مجذوب یحییٰؒ نام جو کشف و کرامات میں مشہور تھے۔ کبھی کبھی اس مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ کبیر الدینؒ اسماعیل کی عادت یہ تھی کہ آدھی رات کو اپنے پیر مخدوم جہانیاںؒ سید جلال الدین حسین بخاریؒ کی زیارت کو جاتے تھے اور انگشت شہادت کے اشارہ سے دروازہ کھول کر مقبرہ میں داخل ہوتے تھے اور تہجد کی نماز پڑھ کر کلام اللہ ختم کرکے برآمد ہوتے تھے اور پھر انگشت شہادت کے اشارہ سے گنبد کا دروازہ مقفل کر دیتے تھے قضاءً ایک شب یحییٰ مجذوب مخدوم جہانیاں سید جلال الدینؒ حسین بخاری کی قبر پر حاضر تھے انہوں نے شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کی اس حالت کا مشاہدہ کیا اور ان کا ماجرا سید صدرالدینؒ راجوئے قتال

کے سمع مبارک میں پہنچایا۔ شیخ کبیر الدین اسماعیلؒ نے نورِ باطن سے دریافت کیا اور اس روز بوجہ حجالت اپنے استاد سید صدر الدینؒ راجوئے قتال کے پاس سبق پڑھنے نہ گئے۔ سید خود ان کے مکان پر تشریف لائے اور انہیں اپنے ہمراہ دولت سرا میں لائے اور ان کی تعظیم میں کوشش فرمائی۔

نقل ہے کہ کبیر الدین اسمٰعیلؒ کے دو فرزند تھے ایک کا نام عبدالشکور اور دوسرے کا نام عبدالغفور تھا۔ یہ دونوں فرزند صورت اور سیرت میں بے نظیر تھے اور باوجود خرد سالی شب و روز باپ کی خدمت میں بہ کسب علوم مشغول رہتے تھے اور درویشانِ دانا کے مانند آہستگی و سخن سنجیدگی کے ساتھ اوقات بسر کرتے تھے۔ جب شیخ کی رحلت کا وقت قریب پہنچا دونوں بیٹوں کو اپنے روبرو بلا کر ارشاد کیا کہ جس وقت تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میری قبر پر آکر اظہار کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کا جواب سنو گے چنانچہ وہی ہوتا تھا جو آنحضرت نے فرمایا تھا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

کتبہٗ شریف شاہ گجرات اگست ۹۶۴ء لی

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا ھم یحزنون

تذکرہ مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

یعنی

تاریخ فرشتہ، مؤلفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ

کے

باب مشائخ ہند کا دلکش و سلیس اردو ترجمہ



احسن برادرز — لاہور